دور اندیش

محی الدین نواب

میں سرفراز علی اور ان کے عزیز واقارب سے ذاتی طور پر واقف نہیں تھا۔ شہر کی مشہور و معروف بیرسٹر لیلیٰ محسن نے مجھے ان کے ہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ سرفراز علی خان اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے تھے لیلیٰ محسن' مرحوم کے عزیز واقارب کے سامنے ان کی وصیت پڑھ کر سنانے والی تھی۔ جب لیلیٰ محسن کوئی قانونی کارروائی کرے اور اجنبی لوگوں کے درمیان مجھے بلائے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ جہاں سے لیلیٰ محسن بولنا شروع کرتی ہے' وہاں سے میں کسی جرم کی بو سونگھتا چلا جاتا ہوں۔

اکثر ایشیائی ممالک میں پرائیویٹ سراغرساں کو گھاس نہیں ڈالی جاتی۔ بحیثیت سراغرساں میری کوئی قانونی حیثیت نہیں تھی۔ یہ لیلیٰ محسن کا احسان تھا کہ اس نے مجھے پرائیویٹ سراغرساں بنا رکھا تھا۔ قانون کی نظروں میں' میں اس مشہور و معروف بیرسٹر کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا' درپردہ پرائیویٹ سراغرساں تھا۔

ہم دونوں میں یہ طے پایا تھا کہ لیلیٰ محسن کے کسی بھی کیس کی تحقیقات کے دوران میں فریقین کی جڑوں تک پہنچ کر انہیں بے نقاب کرنے کی کوشش کروں گا میں اس سلسلے میں اس کے مؤکلوں سے جو بھی معاوضہ وصول کروں' وہ اس پر اعتراض نہیں کرے گی۔ دوسری بات یہ کہ اگر اس کیس کی تحقیقات کے دوران کسی بھی موقع پر میں قانون کی گرفت میں آؤں تو وہ مجھے قانون کے ہاتھوں سے چھڑا کر لے آئے گی یعنی قانونی طور پر وہ میری محافظ تھی اور معاشی طور پر میری معقول آمدنی کا ذریعہ تھی لیکن میری ذات سے اسے کیا فائدہ پہنچ رہا تھا۔ یہ بات وہ کبھی منہ سے نہیں بولتی تھی۔ وہ مجھ سے عمر میں بڑی تھی۔ بڑی ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ عقل بھی بڑی ہوتی ہے' لیکن بوڑھی کبھی نہیں ہوتی اور حسرتوں کے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے۔ حسرتیں ہمیشہ جوان رہتی ہیں۔ وہ بے چاری

بیرسٹر تھی تو کیا ہوا آخر عورت ہی تھی منہ سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ ابھی تو میں جوان ہوں۔

میں مقررہ وقت کے مطابق ٹھیک سات بجے مرحوم سرفراز علی خان کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ ایک بہت بڑے ہال نما ڈرائنگ روم میں بہت ہی رئیس قسم کے افراد نظر آئے۔ ان کی خوش لباسی' خوش گفتاری' ان کے چہروں کی تازگی' چمک اور مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ صرف دولت سے کھیلنا جانتے ہیں۔ دوسرا کوئی کھلونا نہیں جانتے۔

لیلیٰ محسن مجھے دیکھتے ہی ان کے درمیان سے اٹھ کر تیزی سے چلتی ہوئی میرے پاس آئی پھر دبی زبان میں غصے سے دانت پیس کر مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ کاؤ بوائے جیسا لباس' سر پر گولف کیپ' کسی فلم کے غنڈہ ٹائپ ہیرو لگ رہے ہو۔ یہاں پہن کر آنے کے لئے یہی لباس ملا۔ کوئی اچھا سا سوٹ نکٹائی وغیرہ نہیں پہن سکتے تھے؟"

میں نے بھی دبی زبان سے جواب دیا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ تم یہاں میرا رشتہ کرنے بلا رہی ہو؟"

"یہاں رشتہ کرنے کے لئے مردانہ حسن کی نہیں' صرف دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو تمہارے پاس نہیں ہے۔ چلو آجاؤ۔"

وہ میرے ساتھ اس ڈرائنگ روم میں ان کے درمیان آگئی۔ پھر ایک شخص سے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "مسٹر کرامت علی خان! یہ ہیں میرے پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر ابن شہاب اور شہاب! یہ مرحوم سرفراز علی خان کے بڑے داماد مسٹر کرامت علی خان ہیں۔ یہ بھی میری طرح بیرسٹر ہیں۔"

بیرسٹر کرامت علی خان نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا جیسے مجھ سے مل کر بہت خوشی حاصل ہو رہی ہو۔ اس نے زبانی خوشی کا بھی اظہار کیا۔ پھر ایک محترمہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ریحانہ! ادھر آؤ ان سے ملو۔"

وہ محترمہ اپنی خوبصورت سی ساڑھی کو سنبھالتی ہوئی ہمارے قریب آئیں۔ ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی اور آنکھوں سے ذہانت کا بھی اظہار ہوتا تھا۔ کرامت علی خان نے کہا۔ "یہ میری وائف ریحانہ کرامت ہیں' میرے مرحوم سسر سرفراز علی خان کی بڑی

صاحبزادی!"

میں نے سر کو احتراماً ذرا سا جھکا کر سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے آپ کے والد کی وفات کا بے حد افسوس ہے۔ اگرچہ میں ذاتی طور پر انہیں نہیں جانتا تھا لیکن لیلیٰ نے ان کے متعلق مجھے جو کچھ بتایا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرحوم سرفراز علی خان صاحب جیسی ہستیاں بار بار پیدا نہیں ہوا کرتیں۔"

ریحانہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ آخر وہ بیٹی تھی۔ باپ کے متعلق سن کر یقیناً دل سے آنسو نکلنے لگتے ہیں۔ کرامت علی خان نے اس کے شانے کو تھپک کر کہا۔ "ارے تم پھر وہی رونا شروع کر دو گی۔ دیکھو اتنے سارے مہمان ہیں۔ چلو آنسو ضبط کرو اور جاؤ لوگوں سے باتیں کرنے میں دل بہلاؤ۔"

وہ چلی گئی۔ لیلیٰ محسن نے مجھے ایک طرف آنے کا اشارہ کیا پھر ایک صوفے کے پاس پہنچی۔ وہاں ایک ایسی پیاری پیاری سی حسین لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جسے دیکھنے کے بعد پھر ایک بار دیکھنے کو جی چاہتا تھا۔ وہ ہمیں اپنے پاس دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی۔ اس کی عمر یہی کوئی اٹھارہ یا بیس برس ہو گی۔ لیلیٰ نے کہا۔ "یہ مس افسانہ سرفراز ہیں۔ مرحوم سرفراز علی خان کی چھوٹی صاحبزادی اور افسانہ! یہ ہیں مسٹر ابن شہاب کیا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے؟"

میرا نام سنتے ہی افسانہ کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آئی۔ آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی پتہ نہیں اس نے مجھے بشوق دیکھا یا شوخ ہو کر دیکھا۔ مگر اس کا دیکھنا بڑا ہی حوصلہ افزا لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "اوہ' آپ ہی مسٹر ابن شہاب ہیں۔ لیلیٰ صاحبہ نے آپ کے بڑے کارنامے سنائے ہیں۔ مجھے آپ سے ملنے کی بڑی آرزو تھی۔"

"ملنے کا اشتیاق ہونا اور بات ہے۔ آرزو ہونا اور بات ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"آئندہ مجھے بھی ملنے کی آرزو رہے گی۔"

لیلیٰ نے مجھے گھور کر دیکھا۔ میں نے جلدی سے موضوع بدل کر کہا۔ "آپ کے والد کی وفات کا مجھے بے حد افسوس ہے میں انہیں ذاتی طور پر نہیں جانتا تھا لیکن لیلیٰ نے ان کے متعلق جو کچھ بتایا ہے' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرحوم سرفراز علی خان جیسی ہستیاں بار بار پیدا نہیں ہوا کرتیں۔"

افسانہ ایک دم سے سنجیدہ ہوگئی۔ مجھ سے مل کر جتنی خوشی حاصل ہوئی تھی، جتنی شوخی اور تازگی اس کے چہرے پر آئی تھی، وہ سب بجھ گئی۔ مجھے اس پر بڑا افسوس ہوا لیکن وہ باپ سے محروم ہوگئی تھی' لہٰذا اس کا سنجیدہ ہونا اور رنجیدہ ہونا فطری بات تھی۔

ایک نوجوان نے لیلیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مسز محسن ہم اس وصیت کو سننے کے منتظر ہیں۔"

لیلیٰ نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے آہستگی سے بولی۔ "یہ تعزیتی الفاظ خوب رٹ کر آئے ہو۔"

میں نے آہستگی سے جواب دیا۔ "کیا کروں۔ مجھے ایسے موقعوں پر بولنا نہیں آتا۔ جبراً اپنے آپ کو سنجیدہ کرنا اور آنکھوں میں آنسو لانا میرے لئے بہت مشکل کام ہے۔"

ہم اس نوجوان کے پاس پہنچ گئے لیلیٰ نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "یہ مسٹر ابن شباب ہیں اور شباب! یہ مسٹر کامل سرفراز ہیں۔ مرحوم سرفراز علی خان کے صاحبزادے' ریحانہ سے چھوٹے اور افسانہ سے بڑے ہیں۔"

میں نے کامل سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے آپ کے والد کی وفات کا بے حد افسوس ہے۔ میں انہیں ذاتی طور پر نہیں جانتا تھا لیکن لیلیٰ نے ان کی جو خوبیاں بیان کی ہیں' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ........"

کامل نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ایسی خوبیاں اور کسی میں پیدا نہیں ہوں گی۔ کیا یہ خوبی ہے کہ ان کی زندگی میں' میں گھر سے باہر در در بھٹکتا رہا۔" پھر اس نے لیلیٰ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ مجھے یہاں آنے پر مجبور نہ کرتیں تو میں آج بھی نہ آتا اور جب آگیا ہوں تو اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ پلیز' آپ وہ وصیت پڑھ کر سنا دیں۔"

لیلیٰ وہاں سے چلتی ہوئی ایک علیحدہ صوفے کے پاس آگئی۔ اس صوفے کے سامنے میز پر ایک بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ اس نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اب میں وہ وصیت آپ لوگوں کے سامنے کھول رہی ہوں اور پڑھ کر سنا رہی ہوں۔ پلیز' آپ لوگ ایک طرف آرام سے بیٹھ جائیں اور توجہ سے سنیں۔"

وہ اس صوفے پر بیٹھ کر بریف کیس کھولنے لگی۔ تمام لوگ مختلف صوفوں اور

کرسیوں پر بیٹھنے لگے۔ کامل ان صوفوں کے پیچھے' دور ہاتھ باندھے کھڑا ہوا کبھی لیلیٰ کو اور کبھی بریف کیس کو گھور کر دیکھ رہا تھا۔ میں ایک کرسی لا کر لیلیٰ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے بریف کیس میں سے ایک فائل نکال کر بیرسٹر کرامت علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بیرسٹر کرامت علی! آپ بیرسٹر بھی ہیں اور مرحوم سرفراز علی خان کے داماد بھی۔ اس لئے سب سے پہلے اس فائل کو دیکھ کر تصدیق کریں کہ یہ فائل مہر شدہ ہے اور اب تک اسے کسی نے نہیں کھولا ہے۔ میں اسے بنک لاکر سے نکال کر لائی ہوں۔"

بیرسٹر کرامت علی خان نے اس فائل کو لیا' اس کی مہر کو دیکھا پھر تصدیق کرتے ہوئے اس نے اپنی بیوی ریحانہ' اپنی سالی افسانہ کو دکھایا پھر اس فائل کو لے کر کامل کی طرف جانے لگا کامل نے دور ہی سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں اسے دیکھنے نہیں' سننے آیا ہوں۔ سننے کے بعد اصلی اور نقلی چہرے ضرور دیکھوں گا۔"

کرامت علی نے اسے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے دیکھا۔ پھر لیلیٰ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "کامل' طنزیہ گفتگو سے باز نہیں آئے گا۔ میری دعا ہے کہ اس وصیت کے ذریعے مرحوم باپ اور بیٹے کا رشتہ پھر سے استوار ہو جائے اور ہماری طرف سے کامل کی غلط فہمی دور ہو جائے۔"

کامل نے کہا۔ "بہت خوب۔ جب ابا زندہ ہی نہیں رہے تو اب باپ بیٹے کا رشتہ کیا استوار ہوگا۔ ہاں' میں تو صرف یہ سننے آیا ہوں کہ میری والدہ مرحومہ کے ساتھ کیا انصاف کیا گیا ہے؟"

اس وقت تک لیلیٰ نے وہ فائل لے کر اس کی مہر توڑ دی تھی اور فائل کو کھول کر اس کا سرسری جائزہ لے رہی تھی۔ پھر اس نے ایک صفحے کو اٹھا کر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا تھا۔

"میں سرفراز علی خان ولد نواز علی خان اپنے پورے ہوش و حواس کے ساتھ اپنے فیملی ڈاکٹر اور بیرسٹر لیلیٰ محسن کی موجودگی میں یہ وصیت نامہ مرتب کر رہا ہوں۔

میرے داماد کرامت علی خان بھی ایک نامی گرامی بیرسٹر ہیں۔ قانون کی پیچیدگیوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ میں چاہتا تو یہ وصیت اپنے داماد کے ہاتھوں سے لکھواتا لیکن کسی کو اس

پر اعتراض ہوسکتا تھا' یہ شبہ پیدا ہوسکتا تھا کہ میرے بیرسٹر داماد نے مجھ پر کسی قسم کا دباؤ ڈال کر اپنی مرضی کے مطابق وصیت لکھوائی ہے۔ لہٰذا میں اس شبہ کو سرے سے ختم کرنے کے لئے بیرسٹر لیلیٰ محسن کی خدمات حاصل کر رہا ہوں۔"

کامل نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "مسز محسن! ابا مرحوم نے صاف طور سے یہ نہیں لکھا کہ میں ہی اس بات پر اعتراض کر سکتا تھا۔ ویسے آپ کی خدمات حاصل کرنے کے بعد میرا شبہ یقیناً ختم ہوگیا ہے۔"

"میں نے دو شادیاں کی تھیں۔ میری پہلی بیوی کا نام آمنہ خاتون تھا۔ اس بیوی سے پہلے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام ریحانہ ہے۔ ریحانہ کی پیدائش کے چار سال بعد میں نے دوسری شادی کی۔ میری دوسری بیوی کا نام دلربا بیگم تھا۔ یہ شادی میں نے چھپ کر کی تھی لیکن کچھ عرصہ بعد ظاہر ہوگئی۔ دلربا سے میرا ایک بیٹا پیدا ہوا جس کے دس برس بعد ایک بیٹی اور آمنہ خاتون سے ہوئی جس کا نام افسانہ سرفراز ہے۔"

میں نے مسکرا کر افسانہ کی طرف دیکھا۔ پتہ نہیں اتفاق تھا یا میری خوش نصیبی کہ وہ مجھے ہی دیکھ رہی تھی۔ نظریں ملتے ہی وہ مسکرا کر لیلیٰ کو دیکھنے لگی۔

آگے وصیت میں لکھا ہوا تھا۔ 'میری دولت اور جائیداد کی وارث یہی تین اولادیں ہیں یعنی ریحانہ سرفرار جو اَب مسز ریحانہ کرامت ہے۔ دوسرا کامل سرفراز' تیسری افسانہ سرفراز۔

لیکن ان تینوں کے علاوہ میرے داماد بیرسٹر کرامت علی خان کا ذکر بھی ضروری ہے۔ کرامت علی خان نے میری بیٹی ریحانہ کو اپنی شریکِ حیات بنانے کے بعد ایسی خوشگوار ازدواجی زندگی دی ہے اور اپنی محبت اور میری خدمت کرنے کی ایسی عمدہ مثال پیش کی ہے کہ میں اپنے داماد سے بہت زیادہ متاثر ہوں اور اپنی دولت اور جائیداد میں ان تینوں بچوں کے ساتھ اسے بھی برابر کا حصے دار سمجھتا ہوں۔

اس سے پہلے کہ میں حصے داری کا ذکر کروں۔ کامل سرفراز سے کہنا چاہتا ہوں کہ ے میری جائیداد میں سے برابر کا حصہ اسی شرط پر ملے گا جس شرط کے پورا کرنے کے اعث ہم باپ بیٹے میں اختلاف پیدا ہوا تھا اور وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔'

لیلیٰ نے اس کاغذ کو ایک طرف رکھ دیا۔ پھر فائل میں سے دوسرا کاغذ اٹھانے کے بعد کامل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مسٹر کامل' اس سے پہلے کہ میں وصیت آگے پڑھوں۔ آپ کو یہ بتادوں کہ آپ باپ بیٹے میں جس بات پر اختلاف پیدا ہوا تھا' اس کی تفصیل ایک الگ کاغذ پر موجود ہے اور وہ سب آپ کے والد کے ہاتھ سے لکھا گیا ہے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ ان حاضرین کو اپنی زبان سے وہ اختلافی بات بتائیں۔"

کامل نے کہا۔ "جی ہاں' آپ کہتی ہیں تو میں بتاتا ہوں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ایک بار مجھے ایک لاکھ روپے کی سخت ضرورت پیش آئی۔ میں نے ابا جان سے اس رقم کا مطالبہ کیا......... انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا۔ اگر خرچ کرتے ہو تو پہلے کمانا سیکھو۔ جب خود کمانے لگو گے تب تمہیں پتہ چلے گا کہ ایک لاکھ کی رقم کتنی بڑی ہوتی ہے۔' اس وقت مجھے ابا جان کی یہ بات بہت بری لگی۔ میں نے کہا۔ میں ایک لاکھ روپے خرچ کرنے کے لئے نہیں بلکہ ایک کاروبار شروع کرنے کے لئے مانگ رہا ہوں' انہوں نے پھر انکار میں سر ہلا کر کہا۔ نہیں بیٹے! ایک لاکھ کی رقم بہت ہوتی ہے۔ اگر اپنی صلاحیتوں کو آزمانا چاہتے ہو تو کم سے کم رقم سے کاروبار شروع کرو۔ میں تمہیں زیادہ سے زیادہ پچاس ہزار روپے دے سکتا ہوں' میں نے پچاس ہزار روپے لینے سے انکار کیا۔ اس پر بات بڑھ گئی۔ میں گھر چھوڑ کر جانے لگا۔ ابا جان نے مجھے آخری بار مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ میں تمہیں واپس نہیں بلاؤں گا تم خود آؤ گے اور جب بھی آؤ تو یہ سوچ کر آنا کہ تمہیں پچاس ہزار روپے سے کاروبار شروع کرنا ہے اور اپنی صلاحیتوں کو ثابت کرنا ہے۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "شکریہ مسٹر کامل! آپ نے ساری باتیں سچ سچ بیان کی ہیں۔"

کامل نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیسے سچ نہ کہتا۔ جبکہ میرے ابا جان کے ہاتھ کی تحریر آپ کے پاس موجود ہے۔ اپنی زبان سے جھوٹ کہوں گا تو وہ تحریر میرے جھوٹ کا پول کھول دے گی۔"

لیلیٰ نے پھر ایک بار مسکرا کر اسے دیکھا اور اس وصیت کو آگے پڑھنے لگی۔ آگے لکھا تھا۔

"میں اپنی کروڑوں روپے کی جائیداد اور نقد رقم میں سے اپنے بیٹے کامل سرفراز کے

لئے صرف پچاس ہزار روپے مقرر کرتا ہوں میرے بعد میرے اس بیٹے کو پچاس ہزار روپے دیئے جائیں جب وہ اس رقم سے کاروبار کرے گا تو ترقی کرتے ہوئے اپنی ذہانت‘ اپنے تجربے‘ اپنی لگن کا ثبوت فراہم کرے گا تو آگے چل کر میری باقی جائیداد میں سے اپنی سوتیلی بہنوں کے برابر کا حصہ ملے گا۔

میری موت کے بعد میری آئرن مل کے کاروبار کو سنبھالنے کی ذمے داری میری بڑی بیٹی ریحانہ اور داماد کرامت علی خان پر ہوگی۔ افسانہ کی شادی کے بعد افسانہ اور چھوٹا داماد بھی اس کاروبار میں برابر کے شریک ہوں گے اور اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالیں گے۔ اس آئرن مل کی آمدنی کے پانچ برابر حصے ہوں گے۔ جن میں سے ایک حصہ ریحانہ‘ دوسرا حصہ کرامت علی خان‘ تیسرا حصہ افسانہ‘ چوتھا حصہ چھوٹے داماد اور پانچواں حصہ میرے بیٹے کامل سرفراز کو ملے گا۔

میری موت کے بعد تمام بنکوں کے اکاؤنٹس میں جتنی رقم ہوگی‘ اس کے بھی پانچ برابر حصے کئے جائیں گے اور مندرجہ بالا پانچوں وارثوں میں تقسیم کئے جائیں گے لیکن شرط یہی ہے کہ کامل سرفراز پہلے پچاس ہزار سے کاروبار شروع کرے۔ اپنی صلاحیتوں کو ثابت کرے‘ جب انکم ٹیکس کے کھاتوں اور اس کے بنک اکاؤنٹ کے ذریعہ یہ ثابت ہو جائے گا کہ اس نے پچاس ہزار سے شروع ہونے والے کاروبار سے ایک لاکھ روپے کا منافع حاصل کیا ہے‘ تو وہ میری جائیداد کا پانچواں حصہ دار بن جائے گا اور اس وصیت کی رو سے اپنے پانچویں حصے کا منافع حاصل کرتا رہے گا۔“

کامل سرفراز نے کہا۔ ”بہت خوب‘ اگر مجھے پچاس ہزار روپے اباجان کی زندگی میں لے کر کاروبار کرنا ہوتا تو میں اسی وقت کر چکا ہوتا۔ میرے لئے یہ کوئی مشکل نہیں تھا کہ اِدھر میں پچاس ہزار روپے لے کر جاتا اور اُدھر دو چار روز میں ایک لاکھ روپے کا منافع حاصل کر کے انہیں بتا دیتا۔ کیا ہم یہ نہیں جانتے کہ ہمارے ملک میں لوگ راتوں رات امیر بن جاتے ہیں؟“

ریحانہ نے ناگواری سے پوچھا۔ ”کیا تمہارے دماغ میں ایسے فریبی خیالات آتے رہتے ہیں؟“

”جھوٹ اور فریب کس کے دماغ میں نہیں ہوتا۔ آپ میری بڑی بہن ہیں۔ یہ میرے بہنوئی کرامت علی ہیں۔ میری چھوٹی بہن افسانہ شادی کرے گی تو ایک چھوٹا بہنوئی بھی آئے گا۔ کیا تم سب مل کر یہ ثابت نہیں کرسکتے کہ میرے پاس انکم ٹیکس کا جو کھاتہ ہے‘ وہ غلط ہے میرے پاس بنک میں جو ایک لاکھ کی رقم آگئی ہے‘ وہ دھوکے اور فراڈ سے آئی ہے یا میں نے کسی مہاجن سے ایک لاکھ روپے سود پر حاصل کر لئے ہیں۔ انکم ٹیکس والوں کو رشوت دے دی ہے اور اس طرح اپنے پانچویں حصے کا حق دار بن گیا ہوں۔ مجھے جھوٹا اور فریبی ثابت کرنے کے لئے آپ لوگوں کے سامنے بہت سے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اس وصیت نامے میں یہ نہیں لکھا گیا ہے کہ میری سچائی کی تصدیق کیسے ہوگی۔“

اس کے بہنوئی کرامت نے سنجیدگی سے کہا۔ ”کامل! تم نے بہت اچھی بات کہہ دی ہے۔ واقعی اس پر ہم سب کو غور کرنا چاہئے تم یقین کرو اگر اس وصیت کے لکھنے کے وقت میں موجود رہتا تو اس شرط پر اعتراض کرتا بہرحال وقت گزر چکا ہے لیکن میں ان سب کے سامنے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر اپنے والد مرحوم کی یہ شرط پوری کرنے کے لئے صرف پچاس ہزار لے کر جاؤ گے اور کاروبار کرو گے خواہ اس میں نفع ہو یا نقصان ہو تو میرے لئے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ نقصان ہوگا تو تم وصیت کی رو سے پانچویں حصے کے حقدار نہیں رہو گے لیکن نقصان کی صورت میں یہ میرا وعدہ ہے۔ اپنا حصہ تمہیں دے دوں گا اور کوئی مجھے اپنا حصہ تمہیں دینے سے نہیں روک سکے گا۔“

کامل نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”جب میں نے اپنے باپ سے پچاس ہزار روپے نہیں لئے تو اپنے بہنوئی سے خیرات کیسے لے سکتا ہوں؟“

افسانہ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”بھائی جان! آپ بہت اچھے ہیں واقعی بہنوئی سے کسی طرح کی مدد حاصل نہیں کرنا چاہئے لیکن میں تو آپ کی بہن ہوں۔ میں اپنا حصہ آپ کو دوں گی۔“

کامل نے کہا۔ ”تمہارے حصے پر تمہارے ہونے والے شوہر کا حق ہوگا۔“

”نہیں‘ بھائی جان! جب تک آپ کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا اور آپ کو پانچواں حصہ نہیں ملے گا‘ میں بھی اس وقت تک شادی نہیں کروں گی۔ نہ شادی کروں گی‘ نہ

میرے حصے کا حقدار ہو گا۔ میرے حصے پر صرف میرے بھائی کا حق ہو گا۔"

وہ جھنجلا گیا۔ اس نے غصے سے افسانہ کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "کیا تم سب یہ سمجھ رہے ہو کہ میں یہاں اپنے باپ کی وصیت سننے نہیں بلکہ بھیک مانگنے آیا ہوں؟ کیا میں اپنے باپ کا خون نہیں ہوں۔ یہاں سے مجھے جو بھی ملے اپنے باپ کی طرف سے ملے میں تم لوگوں کی طرف سے ایک تنکا بھی وصول نہیں کروں گا۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "آپ سب اپنی اپنی باتوں میں اُلجھ رہے ہیں۔ اب تک میں نے جو کچھ بھی پڑھ کر سنایا ہے۔ اس کے بعد بھی سننے سمجھنے اور آئندہ اُلجھتے رہنے کے لئے بہت کچھ ہے۔ پہلے آپ سنتے تو جائیں۔"

وہ سب خاموش ہو کر لیلیٰ کا منہ تکنے لگے۔ اس نے فائل کو ایک طرف رکھا۔ پھر بریف کیس میں سے زیور کا ایک ڈبہ اور ایک لفافہ نکال کر اسے ذرا بلند کر کے سب کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "مرحوم کی زندگی میں ہی آج سے تقریباً چار ماہ پہلے میرے پاس یہ پارسل بذریعہ ڈاک آیا تھا۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس ڈبے میں ایک سونے کا ہار تھا۔ اس ہار کی زنجیر میں ایک بڑا سا لاکٹ ہے۔ اسے دیکھنے کے بعد میں نے اس خط کو کھول کر پڑھا۔ اس میں کسی نامعلوم شخص کی تحریر ہے۔ وہ میں آپ لوگوں کو پڑھ کر سناتی ہوں۔"

اس نے زیور کے ڈبے کو ایک طرف رکھا۔ پھر اس لفافے میں سے تہہ کئے ہوئے کاغذ کو نکال کر کھولا اور پڑھنا شروع کیا! اس میں کسی نامعلوم شخص نے لکھا تھا۔

بیرسٹر لیلیٰ محسن!

زندگی اور موت کے درمیان اتنا کم فاصلہ رہتا ہے کہ اس مختصر سے فاصلے کو آج تک کوئی ناپ نہیں سکا۔ مسٹر سرفراز علی خان آج بخیریت زندگی گزار رہے ہیں' لیکن ایک دن تو مرنا ہی ہے۔ اگر ان کی موت واقع ہو جائے خواہ وہ موت طبعی ہو' حادثاتی ہو' وارداتی ہو یا کوئی بھی موت ہو۔ آپ سے درخواست ہے کہ ان کی لاش کا پوسٹ مارٹم ضرور کیا جائے۔

آپ سے دوسری درخواست یہ ہے کہ اگر سرفراز علی خان کی موت طبعی ہو تو آپ

میڈیکل رپورٹ کے ساتھ اس طبعی موت کی خبر اخبار میں ضرور شائع کرائیں۔ اگر ان کی موت حادثاتی یا غیر طبعی ہو تو اس پارسل میں جو ہار ہے' آپ افسانہ سرفراز کو پہنا دیں۔

تیسری اور سب سے اہم درخواست یہ ہے کہ جب تک آپ سرفراز علی خان کے وصیت نامے کو ان کے وارثوں کے سامنے پڑھ کر نہ سنائیں اور یہ ہار افسانہ کو پہنانے کا مرحلہ نہ آئے۔ اس وقت تک اس ہار اور اس خط کو راز میں رکھیں۔ سرفراز علی خان کے تمام رشتہ داروں اور عزیز و اقارب یا ان کے دوستوں کو بھی اس کا علم نہ ہو۔ آپ اسے اس حد تک راز میں رکھیں کہ آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر ابن شہاب کو بھی اس کی خبر نہ ہو۔ بعد میں آپ مسٹر ابن شہاب کی خدمات حاصل کر سکتی ہیں۔

یہ ہار افسانہ کو کیوں پہنایا جائے۔ میں اس بات کی وضاحت کر دوں۔ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ سرفراز علی خان کو قتل کیا گیا ہے یا جان بوجھ کر کسی حادثے کا شکار بنایا گیا ہے تو یہ بات یقینی ہو جائے گی کہ جلد ہی افسانہ کو بھی قتل کیا جائے گا۔ اس کے بچاؤ کی صورت صرف یہی ہے کہ یہ ہار اسے پہنا دیا جائے اور افسانہ کو تاکید کی جائے کہ وہ اس ہار کو کبھی اپنے سے الگ نہ کرے۔ اس ہار کے لاکٹ میں ایک ایسی چیز ہے جو افسانہ کے قریب آنے والے قاتل کی نشان دہی کرے گی یعنی یہ ہار صرف افسانہ کی حفاظت کے لئے نہیں بلکہ اس قاتل کی بھلائی کے لئے بھی ہے کہ وہ افسانہ کے قریب آنے کی جرأت نہ کرے' یہ دھمکی نہیں ہے۔ آزمائش شرط ہے۔

کوئی اس لاکٹ کو کھول کر نہیں دیکھ سکے گا کیونکہ یہ لاکٹ مخصوص نمبروں کی ترتیب سے کھولا جا سکتا ہے۔ یہ نمبر کسی کو معلوم نہیں ہیں حتیٰ کہ یہ ہار پہنے رہنے والی افسانہ کو بھی معلوم نہیں ہو سکیں گے۔ ان نمبروں کی ترتیب صرف مجھے معلوم ہے۔

میں اس قاتل کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ لاکٹ کو توڑ کر وہ چیز نکال لے یا لاکٹ کے ساتھ افسانہ کو اغوا کر لے۔ افسانہ کی موت کی صورت میں یا اغوا کی صورت میں اس کی گمشدگی صرف چوبیس گھنٹے تک برداشت کی جائے گی۔ چوبیس گھنٹے کے اختتام پر قانون کے ہاتھ اس قاتل کی گردن تک پہنچ جائیں گے۔ میری اس دھمکی کو وہ قاتل خوب سمجھ رہا ہے اور یہ بھی سمجھ رہا ہے کہ افسانہ کی زندگی اس قاتل کی زندگی ہے۔ افسانہ کی موت

اس قاتل کی موت ہے۔

بیرسٹر لیلیٰ محسن! مجھے افسوس ہے کہ فی الحال میں آپ کو اپنا نام نہیں بتا سکتا۔ انشاء اللہ کسی دن میرا نام اور پتہ آپ کو معلوم ہوجائے گا فی الحال آپ اتنا ہی سمجھ لیں کہ میں سرفراز علی خان اور اس کے بچوں کا ہمدرد ہوں۔

وہ خط ختم ہوگیا۔ میں نے تمام مردوں اور عورتوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "خط کے آخری حصے میں لکھا ہے کہ خط لکھنے والے کی دھمکی کو قاتل خوب سمجھ رہا ہے اور یہ جانتا ہے کہ افسانہ کی زندگی اس قاتل کی زندگی ہے۔ افسانہ کی موت اس قاتل کی موت ہے گویا یہ خط لکھنے والا یہ بھی جانتا ہے کہ جس وقت لیلیٰ یہاں خط پڑھ کر سنائے گی تو وہ قاتل ہمارے درمیان موجود ہوگا اور اس دھمکی کو سنتا رہے گا۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "بے شک اس خط سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قاتل ہمارے درمیان موجود ہے۔"

بیرسٹر کرامت علی خان نے پریشان ہوکر کہا۔ "میں تو افسانہ کے لئے پریشان ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کس قسم کا خط ہے۔ لیلیٰ صاحبہ! آپ نے جب مرحوم کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرانے کے لئے قانونی کارروائی کی تھی تو مجھے اس خط کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا!"

لیلیٰ نے معذرت چاہتے ہوئے کہا۔ "سوری مسٹر کرامت علی! مجھے اس خط میں رازداری کی تاکید کی گئی تھی میں نے اسی پر عمل کیا ہے۔ آپ برا نہ مانیں۔"

کرامت علی خان نے کہا۔ "میں ہرگز برا نہیں مانوں گا۔ اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو بحیثیت بیرسٹر یہی کرتا۔"

کامل نے بڑے اطمینان سے پوچھا۔ "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ تو ہم سب کے سامنے آچکی ہے۔ ابا جان کی موت طبعی تھی۔"

لیلیٰ نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں' اصل رپورٹ آپ لوگوں سے چھپائی گئی ہے' اس لئے کہ میں اس خط کے مطابق عمل کرنے پر مجبور تھی۔ اصل بات مین آج سنا رہی ہوں۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق آپ کے ابا جان کی موت طبعی

نہیں تھی بلکہ وہ قتل کئے گئے ہیں۔"

ریحانہ' افسانہ اور بیرسٹر کرامت علی خان ایک دم سے اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ بے اختیار کامل کو دیکھنے لگے۔ کامل نے قدرے پریشان ہوکر احتجاج کرنے کے انداز میں کہا۔ "یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں نے ابا جان کی لاش دیکھی ہے۔ آخری وقت غسل کرانے کے دوران بھی میں موجود تھا۔ میں نے اپنے کاندھوں پر ان کا جنازہ اٹھایا اور دفن کرنے تک ان کے جسم پر کوئی ایسا نشان نہیں تھا' جسے موت کا سبب قرار دیا جاسکتا۔ نہ ہی زہر خورانی کی کوئی علامت تھی۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "آپ کی باتیں ایک حد تک درست ہیں۔ اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ انہیں قتل کیا گیا تھا۔ میں پوسٹ مارٹم کی اصل رپورٹ ان کے حوالے کروں گی۔"

لیلیٰ نے بریف کیس سے میڈیکل رپورٹ نکال کر میرے حوالے کی۔ میں اس پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کو پڑھنے لگا اس دوران ریحانہ اور افسانہ' اپنے اپنے چہروں کو ہم آنچل میں چھپائے رو رہی تھیں۔ یقیناً اب دکھ بڑھ گیا تھا۔ پہلے تو طبعی موت تھی اور صبر آگیا تھا کہ ایک دن سب کو مرنا ہے' لیکن موت اس طرح واقع ہو کہ ایک محبت کرنے والے شفیق باپ کو قتل کر دیا جائے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ قتل غیرانسانی فعل ہے ایسی صورت میں دوہرا ماتم ہوتا ہے۔ ایک تو اپنے پیاروں کے قتل پر آپ ہی آپ رونا آتا ہے۔ دوسرے غیرانسانی فعل پر ہاتھ بے اختیار اپنی چھاتی پیٹنے لگتے ہیں۔

بیرسٹر کرامت علی نے اپنی شریکِ حیات ریحانہ کے آنسو پونچھ دیئے۔ افسانہ کی خوبصورت آنکھوں سے نکلے ہوئے آنسو اس کے دوپٹے سے پونچھے جانے کے لئے نہیں تھے بلکہ میرے رومال میں جذب ہوجانے کے لئے تھے۔ افسوس' میں پہلی ملاقات میں اپنا رومال نہیں بڑھا سکتا تھا۔ میں نے دیکھا کچھ اور لوگ اس کی طرف بڑھ گئے تھے۔ دو چار عورتیں اسے تسلیاں دے رہی تھیں۔ ایک نوجوان نے اس کے ہاتھ کو محبت سے تھام لیا تھا اور اس کے دوپٹے سے اسی کے آنسو پونچھ رہا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ افسانہ کا منگیتر ہے۔ دوسرے لفظوں میں میرا رقیب ہے۔

بیرسٹر کرامت علی اور کامل سرفراز نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کو پڑھنا چاہا میں نے وہ کاغذات ان کے حوالے کر دیئے۔ وہ دونوں باری باری پڑھنے کے بعد گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ میں ان دونوں کے چہروں کو غور سے تک رہا تھا وہ دونوں ہی پریشان تھے پھر کامل نے کہا۔ ”مسٹر ابن شہاب! یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر ابا مرحوم کے پیٹ میں اور پھیپھڑوں میں پانی کی مقدار کچھ زیادہ تھی تو یہ کیسے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں پانی میں ڈبو کر ہلاک کیا جاسکتا ہے‘ پھر یہ کہ جب ہم نے ان کی لاش دیکھی تو وہ بالکل ایسی حالت میں تھے جیسے بڑی دیر سے بستر پر پڑے ہوں۔ وہ کہیں سے بھیگے ہوئے نہیں تھے۔ ان کا لباس‘ ان کا جسم‘ ان کے بال سبھی خشک تھے۔“

”آپ لباس کی بات نہ کریں۔ میرے اس سوال کا جواب دیں‘ کیا آپ لوگوں کے ہاں‘ باتھ روم میں باتھنگ ٹب ہے؟“

سب نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔

میں نے کہا۔ ”غسل کرنے سے پہلے لباس اتار دیا جاتا ہے۔ اس لئے لباس کے بھیگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رہ گیا جسم اور بال تو ہیئر ڈرائر کے ذریعے بال سکھائے جاسکتے ہیں اور گیلے بدن کو خشک بھی کیا جاسکتا ہے۔“

بیرسٹر کرامت علی نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ ”آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کسی نے ابا جان کو باتھنگ ٹب میں ڈبو کر ہلاک کیا۔ پھر وہاں سے نکال کر ہیئر ڈرائر کے ذریعے ان کا بدن اور سر کے بالوں کو خشک کیا۔ پھر ان کے اتارے ہوئے کپڑے انہیں پہنائے اور ان کے بستر پر لا کر لٹا دیا؟“

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ”بے شک یہی سب کچھ ہوا ہے۔“

حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا۔ ”لیکن میڈیکل رپورٹ میں یہ رائے قائم کیوں کی گئی کہ انہیں پانی میں ڈبو کر ہلاک کیا گیا ہے۔ یہ کیوں نہیں سمجھا جاسکتا کہ وہ حادثاتی طور پر خود ہی ڈوب کر ہلاک ہو گئے ہوں گے؟“

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”یہ بچکانہ سا سوال ہے۔ اگر خود ہی ڈوب کر ہلاک ہوئے تھے تو باتھ روم سے اپنے بستر تک کیسے پہنچے اور انہوں نے اپنا لباس دوبارہ کیسے پہن لیا؟“

سب چپ ہو کر اس سوال کرنے والے کو دیکھنے لگے۔

میں نے اس احمقانہ سوال کرنے والے سے پوچھا۔ ”آپ کی تعریف؟“

اس نے ذرا آگے بڑھ کر کہا۔ ”یہ سب مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میں مرحوم سرفراز علی خان کی اسٹیل مل کا جنرل منیجر ہوں۔ مجھے خان اعظم خان کہتے ہیں۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

میں نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”مسٹر خان اعظم خان! آپ جیسا تجربہ کار شخص معصوم بن کر بچکانہ سوال کرے تو ہنسی آتی ہے۔ مجھے اُمید ہے‘ آئندہ آپ ہنسنے کا موقع نہیں دیں گے۔“ پھر میں نے تمام حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”قاتل جو بھی ہے اس نے اپنے طور پر بڑی ذہانت یا چالاکی کا ثبوت دیا ہے۔ مرحوم کو پانی کے ٹب میں ڈبونے کے بعد اس نے انہیں پانی سے نکالا ہوگا اور فرش پر اوندھے منہ لٹا کر ان کے پیٹ سے اور پھیپھڑوں سے پوری طرح پانی نکالنے کی کوشش کی ہوگی۔ ہزار ذہانت یا چالاکی یا تجربے کے باوجود وہ یہ بھول گیا کہ ڈوبنے والا جب ساحل پر لایا جاتا ہے تو اس میں کسی حد تک جان ہوتی ہے۔ لوگ اس کے پیٹ سے پانی نکالنے کے طریقے اختیار کرتے ہیں تو اس نیم جان کی طرف سے بھی اپنی کوشش ہوتی ہے اور پانی باہر نکلتا رہتا ہے لیکن ایک ایسا شخص جو پانی سے نکلنے سے پہلے مردہ ہو گیا ہو تو اس کے پیٹ سے اور پھیپھڑوں سے پانی نکالنے کی کوشش صرف یک طرفہ ہوگی۔ صرف قاتل نے یہ کوشش کی۔ مقتول تو کوشش کرنے کی حد سے گزر چکا تھا۔“

سب مجھے تک رہے تھے اور میری باتوں کو سمجھ رہے تھے۔ خان اعظم خان مجھے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے مجھے اس حد تک ذہین یا تجربہ کار نہ سمجھتا ہو۔

میں نے کہا۔ ”آپ لوگ آرام سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ جائیں‘ میں آپ سے فرداً فرداً کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“

وہ سب اپنی اپنی جگہ جاکر بیٹھ گئے۔ کامل اسی طرح صوفے کے پیچھے جاکر کھڑا ہو گیا تھا اور مجھے تیز ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے ریحانہ کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ ”بیگم ریحانہ کرامت! آپ مجھے بتائیں کہ آپ کو ابا جان کی موت کی اطلاع کیسے

ملی؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ پھر اس نے کہا۔ "میں اپنے شوہر کے ساتھ شاپنگ کے لئے گئی تھی۔ شاپنگ کے بعد بوٹنگ اور فشنگ کا ارادہ تھا۔ اس کے بعد شام ہوجاتی ہم نے سوچا تھا کہ رات کا کھانا کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں کھاکر آئیں گے۔"

"یعنی یہ ایک طویل پروگرام تھا۔ جب آپ آئیں تو آپ نے یہاں کیا دیکھا؟"

ریحانہ نے جواب۔ "یہاں میری یہ چھوٹی بہن افسانہ' ڈرائنگ روم میں موجود تھی اور منہ چھپاکر رو رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی چیخ مار کر دوڑتی ہوئی آئی اور مجھ سے لپٹ کر بتایا کہ اباجان اس دنیا سے چل بسے ہیں۔"

میں نے افسانہ کی طرف رخ کرکے اس سے پوچھا۔ "آپ مجھے بتائیں' آپ کو اپنے والد کی موت کی اطلاع کیسے ملی؟"

"میں اپنا بی' اے کا رزلٹ معلوم کرنے اپنی سہیلیوں کے ہاں گئی تھی۔ سہیلیوں نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ ایک ہی ساتھ ایک جگہ' اخبار میں رزلٹ معلوم کریں گے' پھر خوب جشن منانے کا پروگرام ترتیب دیں گے۔ جب مجھے پاس ہونے کی خوشی ہوئی' جشن کا پروگرام مرتب کیا گیا تو میں وہاں سے اپنے گھر آنے لگی۔ جب اپنی سہیلی کی کوٹھی سے باہر نکلی تو پتہ چلا کہ پورچ میں میری جو گاڑی کھڑی ہوئی تھی' وہ اچانک خراب ہوگئی ہے۔ میری سہیلی کی گاڑی اس کے والدین لے گئے تھے۔ ایک ملازم قریبی ریپیرنگ شاپ میں بھیجا گیا۔ تھوڑی دیر میں وہاں سے ایک مستری آیا اور تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد گاڑی کی خرابی دور ہوگئی۔ پھر میں یہاں آئی۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا یہاں آپ سے پہلے کوئی موجود تھا؟"

"نہیں' میں سمجھتی تھی کہ ہماری ملازمہ ہوگی۔ میں نے کال بیل کا بٹن دبایا تو اندر سے دروازہ کھولنے کوئی نہیں آیا۔ میں نے جھنجلا کر دروازے کو لات ماری تو ایک پٹ کھلتا چلا گیا۔ میں اندر آئی۔ ملازمہ کو آواز دیتی رہی کوئی جواب نہ ملا تو میں یہ زینہ چڑھتی ہوئی اوپر کمرے میں پہنچی۔ میں سب سے پہلے اباجان کو پاس ہونے کی خوشخبری سنانا چاہتی تھی۔ اس لئے ان کے بیڈ روم میں پہنچی تو وہ بستر پر چاروں شانے چت لیٹے ہوئے تھے۔

ان کے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے ہوئے تھے۔ آنکھیں بند تھیں میں نے سوچا سو رہے ہیں۔ انہیں جگانا مناسب نہیں ہے۔ پھر وقت دیکھا تو شام کے چھ بج رہے تھے۔ اندھیرا ہونے والا تھا میں نے پھر سوچا کہ یہ تو بیدار ہونے اور شام کی چائے پینے کا وقت ہے۔ اس لئے میں نے قریب آکر انہیں آواز دی۔ پھر ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو کچھ عجیب سا لگا۔ ہاتھ بہت سرد تھے۔ میں نے سینے پر ہاتھ رکھا اور گھبرا کر آواز دی تو اندازہ ہوگیا کہ وہ ہمیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر جاچکے ہیں۔" ایسا کہتے وہ رونے لگی۔ اس نے پھر آنچل میں منہ چھپالیا۔

میں نے ریحانہ سے پوچھا۔ "کیا آپ نے اور مسٹر کرامت علی نے اس گھر کو ایک ملازمہ کے بھروسے پر چھوڑ دیا تھا۔"

ریحانہ نے جواب دیا۔ "جی نہیں' ہم اباجان کے بھروسے پر یہاں سے گئے تھے جب ہم یہاں سے نکلنے والے تھے' اس وقت وہ ملازمہ ہمارے پاس آئی تھی۔ اباجان بھی ہم سے باتیں کر رہے تھے۔ ملازمہ نے کہا کہ آج اس کا گھر جانا بہت ضروری ہے' اس لئے اسے چھٹی دی جائے۔ ہم نے گھر جانے کی وجہ پوچھی تو اس نے شرماتے ہوئے کہا۔ آج اس کی منگنی ہے۔ شام سے پہلے اس کا گھر جانا بے حد ضروری ہے۔ اباجان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دعائیں دیں۔ پھر سو سو کے پانچ نوٹ اسے دیتے ہوئے کہا۔ جاؤ بیٹی! اپنے ماں باپ سے کہنا۔ شادی کی تاریخ مقرر ہو تو ہمیں اطلاع دیں۔ منگنی کی مٹھائی کھلاؤ۔ پھر ہم تمہارے لئے بہت کچھ کریں گے' وہ شرماتی ہوئی اور احسان مندی کا اظہار کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ اباجان نے کہا کہ ہم ان کی فکر نہ کریں۔ خوب سیر اور خوب تفریح کریں۔ یہی ہمارے ہنسنے' بولنے' کھانے اور کھیلنے کے دن ہیں۔ ہم اسی لئے اس گھر کو صرف اباجان کے بھروسے پر چھوڑ کر باہر چلے گئے تھے۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہاں انہیں تنہا پاکر کوئی ان کی جان کا دشمن بن جائے گا۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا آپ کو کسی پر شبہ ہے؟"

ریحانہ کی نظریں بے اختیار کامل کی طرف اٹھ گئیں' پھر اس نے جلدی سے نظریں

ہٹا کر کہا۔ "میں کسی پر شبہ کروں گی اور وہ شبہ غلط ہوگا تو بعد میں مجھے شرمندگی ہوگی۔ اس لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ہاں ' جب یقین ہوجائے گا تو آپ کو ضرور بتاؤں گی۔"

میں نے افسانہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "کیا آپ کسی پر شبہ کرتی ہیں؟"

"نہیں ' میرا بھی وہی جواب ہے جو ابھی آپا نے دیا ہے۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ میں ابا جان کو بہت عرصے سے پریشان دیکھتی تھی۔ جب بھی میرا سامنا ہوتا تھا ' وہ فوراً ہی مسکرانے لگتے تھے اور میں سمجھ لیتی تھی کہ وہ جبراً مجھے خوش کرنے کے لئے مسکرا رہے ہیں۔ میں نے کئی بار سوال کیا تو انہوں نے مجھے پیار سے تھپک تھپک کر ٹال دیا۔ کہتے تھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ بس اپنوں کا غم کھائے جاتا ہے۔ کچھ اپنے ایسے ہوتے ہیں جو زندگی میں رلاتے ہیں کچھ ایسے ہوتے ہیں جو موت کے بعد بھی مرنے والے کی روح کو تڑپاتے رہتے ہیں۔ بیٹی! یہ دنیا بہت بڑی تجربہ گاہ ہے۔ رفتہ رفتہ تمہیں تجربہ حاصل ہوگا تو یہی معلوم ہوگا کہ مجھ جیسے بوڑھے بعض حالات میں خواہ مخواہ ہی پریشان نظر آتے ہیں۔ جاؤ ' تم بلاوجہ پریشان نہ ہو۔"

میں نے کامل کی طرف دیکھا۔ کامل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "افسانہ کے بیان کے مطابق ابا جان نے کہا تھا کچھ اپنے ایسے ہوتے ہیں جو زندگی میں رلاتے رہتے ہیں تو زندگی میں رلانے والا وہ بدنصیب میں ہی ہوں۔ میں نے ابا جان کی آنکھوں میں آنسو بھر دیئے۔ ہاں ' ان کی موت کے بعد ان کو تڑپانے والا کون ہے ' کیونکہ میں ان کی خواہش کے مطابق لیلیٰ صاحبہ کے اصرار پر یہاں آگیا ہوں۔ ان کی روح کو یقیناً قرار آیا ہوگا۔ روح کو تڑپانے والی بات کسی اور سے پوچھیں۔"

میں نے مقتول سرفراز علی خان کے داماد بیرسٹر کرامت علی کی طرف دیکھا۔ کرامت علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سچ پوچھئے تو مجھے اپنے آپ پر قاتل ہونے کا شبہ ہو رہا ہے۔"

اس کی اس بات پر سبھی چونک کر دیکھنے لگے۔ ریحانہ نے ناراضگی سے کہا۔ "آپ ایسی فضول باتیں کیوں کر رہے ہیں؟"

کرامت علی نے بڑے پیار سے اپنی شریک حیات کو دیکھا پھر کہا۔ "ہاں بیگم! اب

میری سمجھ میں آرہا ہے کہ اس وصیت کی رو سے مجھ پر کس طرح شبہ کیا جاسکتا ہے۔ دیکھو ' ایک تو میں تمہارے ابا جان کی اولاد نہیں ہوں ' داماد ہوں۔ پھر بھی اس میں برابر کا حصہ دار بن گیا ہوں۔ دوسرا منافع میرا یہ ہے کہ تمہارے حصے کی جائیداد اور دولت بھی میری ہوگی گویا مجھے دو حصے مل گئے۔ تیسرا حصہ کامل کا ہے۔ مجھ پر شبہ کیا جاسکتا ہے کہ کامل پچاس ہزار روپے سے کاروبار شروع کرنے کے بعد جتنی بھی دیانت داری سے ایک لاکھ کا منافع حاصل کرکے ہمیں دکھائے گا تو میں اس منافع کو جھوٹ کا پلندہ ثابت کرسکوں گا۔ جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے کامل نے بتایا تھا۔ کامل کو جھوٹا اور فریبی ثابت کرنے کے کئی راستے ہیں۔ اس طرح میں کامل کے حصے کو بھی کسی طرح ہتھیا لوں گا۔" پھر اس نے افسانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب رہ گئی افسانہ ' بیرسٹر لیلیٰ محسن نے ابھی جو خط پڑھ کر سنایا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی افسانہ کو قتل کرے گا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیوں قتل کرے گا؟ جواب بالکل واضح ہے۔ اگر افسانہ اس دنیا سے اٹھ جائے گی تو اس کا حصہ کسے ملے گا؟ ظاہر ہے اس کی بڑی بہن کو ملے گا۔ بڑی بہن کے حوالے سے مجھے ملے گا۔" پھر کرامت علی نے افسانہ کے منگیتر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "رہ گیا وہ چوتھا حصہ جو افسانہ کے ہونے والے شوہر کو ملے گا ' تو کیسے ملے گا۔ اگر وہ متوقع قاتل میں ہوں تو میں افسانہ کی شادی ہونے کا انتظار ہی نہیں کروں گا۔ شادی سے پہلے ہی دلہن کا کام تمام کردوں گا۔ پھر دولہا کہاں رہے گا؟ پھر اس کا حصہ کہاں رہے گا؟" اس نے غصے سے جھنجلاتے ہوئے لیلیٰ محسن کی طرف پلٹ کر دیکھا۔ پھر کہا۔ "لعنت ہے اس وصیت پر میں لیلیٰ محسن سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھے سچ سچ بتائیں ' یہ وصیت کس کے ایما پر لکھی گئی ہے؟ کیا اسے مرحوم نے خود لکھا ہے؟ مجھے یقین نہیں آتا اس وصیت کے پیچھے سازش ہے۔ اس وصیت کا ایک ایک پیراگراف قانون کی نظروں کو مجھ پر مرکوز کرتا ہے۔ مجھ پر سب سے بڑی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ اگر میں اس وصیت کو اپنے حق میں تسلیم کرلوں تو پھر افسانہ کا محافظ بن جاؤں۔ اس پر کسی کا سایہ نہ پڑنے دوں۔ دن رات اس کی نگرانی کروں لیکن آپ سب انصاف سے کہیں ' کیا میں چوبیس گھنٹے اس کی حفاظت کرسکتا ہوں؟ کیا میں اپنے

متعلق یہ رائے قائم کر سکتا ہوں کہ میں کسی نادیدہ قاتل سے زیادہ چالاک' زیادہ پھرتیلا' زیادہ باتدبیر اور زیادہ محتاط ہوں؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہرگز نہیں میں بحیثیت بیرسٹر قاتلوں کو پھانسی کے پھندے تک پہنچا سکتا ہوں لیکن قاتلوں سے پنجہ نہیں لڑا سکتا۔ میں چوبیس گھنٹے افسانہ کا چوکیدار بن کر نہیں رہ سکتا۔ اس کے بہنوئی کی حیثیت سے' اس گھر کے سرپرست کی حیثیت سے میری پوری کوشش یہی ہوگی کہ اس بچی پر آنچ نہ آئے لیکن آپ تمام لوگ میری مجبوریاں سمجھ سکتے ہیں کہ اس وصیت نامے نے مجھے کس مقام پر لاکر کھڑا کر دیا ہے۔"

خان اعظم خان نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "میں بھی کسی حد تک اس سازش کو سمجھ رہا ہوں۔ ابھی جو خط پڑھ کر سنایا گیا ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ متوقع قاتل ہمارے درمیان موجود ہے اور اس نے اس خط کی دھمکی کو سنا ہے۔ اس طرح اور بھی آپ پر شبہ ہوتا ہے کہ شاید آپ ہی متوقع قاتل ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے مالک کی آنکھ بند ہوتے ہی یہ تماشے شروع ہوگئے ہیں۔"

لیلیٰ محسن نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "یہ تماشہ آج نہیں' اسی وقت سے شروع ہوگیا تھا۔ جب یہ وصیت نامہ لکھا گیا تھا۔ مسٹر کرامت علی! آپ خواہ مخواہ اپنے آپ کو پریشان کر رہے ہیں۔ یقیناً شبہ آپ کی طرف جاتا ہے لیکن میں اس بات کی گواہ ہوں کہ یہ وصیت نامہ نہ تو آپ کے اشارے پر لکھا گیا ہے' نہ آپ وصیت نامہ لکھنے کے وقت موجود تھے۔ عدالت میں یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ مقتول سرفراز علی خان جن حالات سے گزر رہے تھے ان کے پیش نظر انہوں نے ایسا ہی وصیت نامہ لکھوایا اور اس پر دستخط کئے۔ اگر ان کا بیٹا کامل ان کی نظروں سے دور نہ جاتا' ان کی شرط تسلیم کرلیتا تو آج اس وصیت نامے کی تحریر کچھ اور ہوتی اور یہ تحریر اب بھی بدل سکتی ہے اگر کامل صاحب شرط کے مطابق پچاس ہزار روپے لے جائیں اور ان سے کاروبار کریں اور ایک لاکھ روپے کا منافع دکھائیں۔ دوسری طرف مسٹر کرامت علی اور جائیداد کے دوسرے حصے دار اس بات کو تسلیم کرلیں کہ کامل نے جائز طور پر پچاس ہزار سے ایک لاکھ روپے کا منافع حاصل کیا ہے تو ساری شکایتیں' ان دیکھی سازشیں اور ایک دوسرے کے خلاف اندیشے ختم ہوجائیں

گے۔ صرف ایک بات رہ جائے گی۔" سب لیلیٰ کا منہ تکنے لگے۔ اس نے جھک کر بریف کیس سے زیور کا وہ ڈبہ اٹھایا۔ اسے کھولا اور اس میں سے سونے کا ایک ہار نکالا۔ اس ہار سے ایک سونے کا لاکٹ منسلک تھا۔ وہ لاکٹ تقریباً دو انچ لانبا اور آدھے انچ کے قریب چوڑا تھا۔ بناوٹ میں کوئی خاص خوبصورتی نہیں تھی لیکن اس کی اہمیت جان سے زیادہ تھی۔

لیلیٰ نے اس ہار کو سب لوگوں کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "جب اس وصیت نامے کے مطابق چاروں' پانچوں حصے دار آپس میں متفق ہوجائیں گے' ایک دوسرے سے تعاون کریں گے تو افسانہ کی حفاظت کی ذمہ داری صرف مسٹر کرامت علی پر نہیں بلکہ سب ہی حصہ داروں پر ہوگی۔ جب سب مل کر اس کی حفاظت کریں گے تو قاتل کبھی قریب نہ آسکے گا اور قریب آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جس نے مجھے یہ خط لکھا ہے۔ اسے پورا یقین ہے کہ قاتل اس لاکٹ کی اہمیت کو سمجھ رہا ہے اور وہ قانون کے جال میں خود کو پھنسوانے کے لئے نہیں آئے گا۔ آئے گا تو یہ اس کی زندگی کی آخری بدنصیبی ہوگی۔"

کرامت علی نے اس لاکٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مسز لیلیٰ محسن! کیا واقعی آپ یہ ہار افسانہ کو پہنانا چاہتی ہیں؟"

لیلیٰ نے جواب دیا۔ "بے شک میں اس خط کی ہدایت کے مطابق عمل کرتی آرہی ہوں' اب بھی یہی کروں گی۔"

کرامت علی نے کہا۔ "لیکن ایک بیرسٹر کی حیثیت سے میں سوال کرتا ہوں کہ جس نے یہ خط لکھا ہے' وہ ایک اجنبی گمنام شخص ہے۔ اس کی باتوں کی کیا اہمیت ہے۔ کیا وہ اس لاکٹ کے ذریعے کسی نامعلوم طریقے سے افسانہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مسٹر کرامت علی! آپ نے عجیب بات کہہ دی۔ جب اس خط لکھنے والے اجنبی گمنام شخص کی پیش گوئی کے مطابق پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے تصدیق کردی کہ مرحوم کو قتل کیا گیا ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ وہ خط لکھنے والا مرحوم سرفراز علی خان اور اس کے بچوں کا ہمدرد ہے' دشمن نہیں ہے۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "میں نے اس لاکٹ کو تقریباً چار ماہ سے ایسی جگہ آزمائشی طور پر رکھا

ہے کہ اگر یہ نقصان دہ ہو تو اس سے مجھے نقصان نہ پہنچے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں بخیریت ہوں اور مجھے یقین ہے کہ مس افسانہ بھی بخیریت رہیں گی۔ کیوں افسانہ! کیا میرے ہاتھوں سے یہ ہار پہننا پسند کرو گی؟"

وہ آگے بڑھتے ہوئے لیلیٰ کے پاس آئی۔ گویا کہ میرے قریب کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے کہا۔ "جس اجنبی گمنام شخص نے میرے والد مرحوم کی موت کا اصل سبب بتایا ہے اور بڑی حد تک حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے میں اس پر یقین رکھتی ہوں اور اس کی ہدایت کے مطابق اس ہار کو ضرور پہنوں گی۔"

لیلیٰ نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر اس ہار کو پہنانا چاہا۔ اسی وقت کامل نے آگے بڑھتے ہوئے چیخ کر کہا۔ "ٹھہر جایئے! پہلے میں اس لاکٹ کو چیک کروں گا۔ دیکھوں گا کہ وہ کیا ہے؟"

لیلیٰ نے ہار اس کے حوالے کر دیا۔ وہ اس سے لے کر اس لاکٹ کو دیکھنے لگا۔ لاکٹ کے ایک سرے پر نمبر لکھے ہوئے تھے اور وہ نمبر ایک ایک بٹن پر درج تھے۔ ان ننھے سے بٹنوں کو ان کی مخصوص ترتیب کے ساتھ دبایا جائے تو وہ لاکٹ کھل سکتا تھا لیکن وہ مخصوص نمبر کسی کو معلوم نہیں تھے۔

خان اعظم خان نے آگے بڑھ کر وہ لاکٹ کامل سے لیا اور اسے الٹ پلٹ کر اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ خان اعظم خان سے وہ لاکٹ کرامت علی نے لیا۔ وہ بھی اسے پوری ذہانت سے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید ہر ایک کے دماغ میں یہی بات تھی کہ اس لاکٹ کے اندر آخر ہے کیا چیز؟ آخر میں ریحانہ نے آ کر اس لاکٹ کو لیا۔ اس نے بھی دیکھا پھر لیلیٰ کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ سچ پوچھو تو مجھے اجنبی گمنام آدمی پر اعتماد ہے۔ وہ یقیناً ہمارا محافظ ہے۔ میں تائید کرتی ہوں کہ افسانہ کو یہ لاکٹ پہننا چاہئے۔"

میں نے لیلیٰ سے وہ لاکٹ لیا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ یہ تو پتہ ہی تھا کہ مخصوص نمبر جب تک معلوم نہیں ہوں گے' اسے نہیں کھولا جا سکتا ہے۔ میں نے تو محض اس لئے لاکٹ لیا تھا کہ آخری بار میرے ہاتھوں میں آئے گا تو مجھے یہ ہار افسانہ کو پہنانے کا موقع

مل جائے گا اور میں نے بڑی ڈھٹائی سے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ آگے بڑھائے' افسانہ نے مسکرا کر دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ حوصلہ افزا تھی کہ میں یہ ہار اسے پہنا سکتا ہوں۔

لیلیٰ جل گئی لیکن افسانہ راضی تھی' اس لئے وہ اعتراض نہیں کر سکتی تھی۔ میں ہار کے دونوں سروں کو تھام کر اس کی گردن کے پیچھے لے گیا۔ میرا ہاتھ اور اس کی گردن۔ فاصلہ ظاہر تھا۔ قربت ایسی تھی کہ اس کا منگیتر مجھے گھور کر دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ' گردن کے پیچھے دونوں سروں پر مل رہا تھا مگر ہک نہیں لگ رہا تھا۔ لاکٹ اس کی دھڑکنوں پر آ کر ٹھہر گیا تھا۔ وہاں جو بھی قاتل ہو گا' اس کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو رہی ہوں گی۔ میں نے ہار کا ہک لگا ہی دیا۔ اس کے گردن کی صباحت اور ملائمیت گویا اس کے حسن کا پیش لفظ تھی۔ ہمارے لوگوں میں بڑی بری عادت ہے۔ کیلا کوئی کھاتا ہے اور چھلکے پر کوئی پھسلتا ہے۔ اس وقت میرے نصیب میں چھلکا ہی تھا اور میں پھسلتا جا رہا تھا۔

ایک بڑی بی نے آگے بڑھ کر ناگواری سے کہا۔ "افسانہ کو ہار پہنانے کا حق میرے بیٹے کا ہے' یہ منگیتر ہے۔ افسانہ اسے چاہتی ہے۔"

میں نے افسانہ سے ذرا دور ہٹ کر کہا۔ "محترمہ! آپ کی آنکھ دیر سے کھلی ہے۔ میں ہار پہنا چکا ہوں۔ آپ چاہیں تو اسے اتار کر دوبارہ اپنے بیٹے کو دے سکتی ہیں۔ وہ یہ شوق پورا کر سکتا ہے' لیکن یاد رکھیں اس خط میں لکھا ہوا تھا کہ ہار پہننے کے بعد اسے افسانہ سے الگ نہ کیا جائے۔ الگ کرنے والا وہی قاتل ہو گا۔ لہٰذا جو قاتل ہے وہ آگے آئے اور اس ہار کو گلے سے اتارے۔"

بڑی بی گھبرا کر پیچھے ہٹ گئیں۔ سب لوگ افسانہ کے سانس لیتے ہوئے بدن کو دیکھ رہے تھے۔ جہاں وہ لاکٹ بھی آہستہ آہستہ جیسے سانس لیتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کبھی ابھر رہا تھا۔ کبھی ذرا آہستگی سے ڈوب رہا تھا۔

کامل تیزی سے چلتا ہوا' افسانہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ پہلے اس نے بہن کے سر پر آنچل رکھا پھر دوپٹے کو اس کے سینے پر سے لا کر شانے پر اس طرح رکھا کہ وہ لاکٹ چھپ گیا۔

خان اعظم خان نے کہا۔ "کامل میاں! اب آپ ہمارے چھوٹے مالک ہیں' لیکن میں

یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ اس لاکٹ کو دیکھتے ہوئے ڈر رہے ہیں۔ اسی لئے چپ رہ ہے۔"

کامل نے اس جنرل منیجر کو گھور کر دیکھا۔ پھر اسے کوئی جواب دیئے بغیر افسانہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ جرم اور ہوس کی کتنی نگاہیں تمہیں دیکھ رہی ہیں۔ مجھے لاکٹ کی پرواہ نہیں ہے' تمہاری فکر ہے۔ اپنے آپ کو چھپا کر سنبھال کر رکھو۔ دوپٹہ بے ترتیب رہے گا تو اس قاتل سے پہلے میں تمہیں قتل کر دوں گا۔"

یہ کہتے ہی وہ بہن کے پاس سے گھوم گیا اور وہاں سے جانے لگا۔ ریحانہ نے آگے بڑھ کر غصہ دکھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو دیکھو' سبھی سن رہے ہیں کہ یہ افسانہ کو قتل کرنے کی دھمکی دے رہا ہے۔"

کامل اس کی بات کو کوئی اہمیت دیئے بغیر تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔ میں نے ریحانہ سے کہا۔ "میں آپ کے والد کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں لیکن تنہا۔ آپ صرف ان کے کمرے کا دروازہ کھول دیں اور کسی کو وہاں آنے کی اجازت نہ دیں۔"

ریحانہ نے مجھے اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا۔ لیلیٰ بھی میرے ساتھ ہو گئی۔ ہم زینے پر چڑھتے ہوئے اوپری منزل پر پہنچے پھر ایک دروازے کے پاس پہنچ کر ریحانہ نے ایک چابی نکالی اور اس دروازے کو کھولتے ہوئے کہا۔ "آپ اندر جا سکتے ہیں۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔"

وہ چلی گئی۔ میں دروازے کو کھول کر اندر آیا۔ لیلیٰ نے میرے پیچھے آتے ہی دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ میں نے پلٹ کر اسے دیکھا' پھر کہا۔ "تمہارے ارادے خطرناک لگتے ہیں۔ ہائے' میں بدنام ہو جاؤں گا۔"

"تم اور بدنامی سے ڈرو گے۔ تمہیں شرم نہیں آتی؟"

"بے شرمی تو تم دکھا رہی ہو۔ دروازہ اندر سے بند کر رکھا ہے۔ کوئی باہر سے آ کر دیکھے گا تو کیا سوچے گا۔"

"بکواس مت کرو تم جب سے یہاں آئے ہو میں دیکھ رہی ہوں کہ افسانہ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کر رہے ہو۔ غضب خدا کا میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ تم نے میرے

ہاتھوں سے وہ ہار لے کر اسے پہنا بھی دیا اور اتنا بھی خیال نہ کیا کہ اس کے رشتہ دار کیا سوچیں گے۔ افسانہ کیا کہے گی۔"

"کہنے والی نے کچھ نہیں کہا۔ تم ہی تاؤ کھا رہی ہو۔"

"دیکھو شہاب! اگر تم اس طرح چھچھوری حرکتیں کرو گے تو میں تم سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گی۔"

"کیا پہلے کوئی تعلق تھا۔ کمال ہے' ایک تو دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ دوسرے تعلقات کی بات کر رہی ہو۔ آج تو تم مجھے بدنام کرنے پر تل گئی ہو۔ چلو' جب یہی بات ہے تو آؤ ہم دونوں مل کر اپنے تعلقات پر غور کریں۔" میں نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا۔

وہ ایک جھٹکے سے خود کو چھڑا کر پیچھے ہٹ گئی' پھر بولی۔ "اے خبردار' میں ایسی ویسی عورت نہیں ہوں۔ میں لیلیٰ محسن ہوں۔ جب میں کسی مقدمے کی پیروی کرتے وقت بولنے لگتی ہوں تو بڑے بڑے جج' بیرسٹرز دم سادھ کر سنتے رہ جاتے ہیں۔"

"ظاہر ہے۔ جج اور بیرسٹرز کی بھی بیویاں ہوتی ہیں۔ وہ گھر سے سننے کی مشق کر کے آتے ہیں۔"

اس نے مجھے غصے سے دیکھا پھر پاؤں پٹخ کر واپس جانا ہی چاہتی تھی کہ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ کسمسانے لگی۔ اپنے آپ کو چھڑانے لگی لیکن اس کی زبان چپ ہو گئی وہ زبان جو بولتے بولتے تھکتی نہیں تھی۔ جو عدالت میں خوب بولتی تھی۔ شکر ہے عورت کی زندگی میں کوئی تو ایسا مقام آتا ہے جہاں وہ چپ ہو جاتی ہے۔ اپنی رفتار' اپنی گفتار سب بھول جاتی ہے۔

اچانک ہی اس نے خود کو چھڑا لیا۔ پلٹ کر تیزی سے دروازے کی طرف گئی۔ ایک جھٹکے سے اسے کھولا اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ میں نے ایک گہری سانس لی مسکرا کر خالی دروازے کو تکتا رہا۔ پھر پلٹ کر کمرے کو دیکھا۔ وہ ایک بڑا سا خوبصورت سا بیڈ روم تھا۔ اس کمرے کا تفصیلی جائزہ لینے سے پہلے میں باتھ روم میں گیا۔ وہاں وہ باتھ ٹب نظر آیا۔ جس میں مقتول نے غسل کیا ہوگا۔ زندگی کا آخری غسل۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے میں وہاں کیا دیکھنے' کیا معلوم کرنے آیا تھا۔ اسے قتل ہوئے چالیس دن گزر چکے تھے۔ چالیسویں کے بعد ہی وہ وصیت پڑھ کر سنائی گئی تھی۔ اتنے دنوں میں اگر قاتل کے کچھ نشانات یا اس کی کوئی بھول چوک رہی ہوگی تو وہ بہت پہلے ہی ختم ہو چکی ہوگی۔

میں نے تصور کی آنکھ سے دیکھا کہ کس طرح مقتول کو اس ٹب میں ڈبویا گیا ہوگا۔ یہ کام ایک قاتل کا نہیں ہوسکتا تھا۔ مقتول کو قابو میں کرنے کے لئے پھر اسے پانی سے باہر نکال کر اس کے پیٹ اور پھیپھڑوں سے پانی نکالنے کے لئے ایک سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت تھی۔ وہ قاتل دو یا دو سے زیادہ ہوں گے۔ انہوں نے اسے اٹھا کر بستر پر لٹایا ہوگا اور اس کے بدن کو خشک کرنے کے بعد اسے کپڑے پہنائے ہوں گے۔ اس کے گھر کے لوگوں کا کہنا تھا کہ مقتول کی کسی سے دشمنی نہیں تھی۔ جبکہ یہاں دو یا دو سے زیادہ قاتلوں کی موجودگی کا اندازہ ہو رہا تھا۔

میں اس کمرے میں آیا۔ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔ جب قتل کی واردات ہوئی تو ریحانہ' افسانہ اور بیرسٹر کرامت علی خان موجود نہیں تھے۔ ان کا بیٹا کامل سرفراز بہت پہلے ہی گھر چھوڑ کر جا چکا تھا۔ اب یہی سوچا جاسکتا تھا کہ کامل یہاں موقع پاکر آیا ہوگا۔ اس کے ساتھ کچھ لوگ ہوں گے یا پھر بیرسٹر کرامت علی خان بظاہر ریحانہ کے ساتھ شاپنگ اور دوسری تفریحات میں مصروف تھا لیکن اس کے کرائے کے قاتل یہاں اپنا کام دکھا رہے ہوں گے۔ شبہ دونوں پر کیا جاسکتا تھا۔ ان کے علاوہ خان اعظم خان بھی شبہ سے بالاتر نہیں تھا۔ یہ بات اس وقت میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ خان اعظم پر کیوں شبہ کر رہا ہوں؟ اس کے متعلق یہ اندازہ ہوا تھا کہ وہ کامل سے دور اور بیرسٹر کرامت علی سے زیادہ قریب ہے۔

میں سوچنے اور طرح طرح کی رائے قائم کرنے کے دوران کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھتا ہوا ان چیزوں کے قریب سے گزرتا جا رہا تھا۔ پھر میں ایک شیشے کی الماری کے سامنے پہنچا۔ شیشے کے اس پار کتابیں نظر آرہی تھیں۔ وہ مرحوم سرفراز علی خان کی چھوٹی سی لائبریری تھی اور ان کے ادبی ذوق کا پتہ دے رہی تھی۔ وہیں کتابوں کے ایک طرف

ایک البم رکھی ہوئی نظر آئی میں نے شیشے کے پٹ کو کھولا اور اس البم کو نکال کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ بہت سی تصویریں البم کے مختلف صفحوں پر چسپاں تھیں اور کچھ ایسی تصویریں بھی تھیں جو الگ الگ صفحوں کے درمیان رکھی ہوئی تھیں۔ ان میں کرامت علی خان' ریحانہ' افسانہ اور کامل وغیرہ کی تصویریں تھیں۔ میں نے افسانہ کی ایک خوبصورت سی تصویر کو اٹھا کر دیکھا۔ وہ بڑے ہی دلکش انداز میں مسکرا رہی تھی۔ کمرے کو دیکھ رہی تھی۔ گویا کہ اس کی نظریں مجھ سے مل رہی تھیں۔ میں نے تصویر کو پلٹ کر دیکھا۔ اس کے پیچھے لکھا ہوا تھا۔ افسانہ سرفراز تاریخ پیدائش ۹۔جون ۱۹۶۵ء لیکن تصویر کے پیچھے اس تاریخ کے عدد یوں لکھے ہوئے تھے۔ ۶۵-۶-۹' انہیں الگ الگ کیا جاتا تو ۹ جون تاریخ' چھٹا مہینہ اور سن ۶۵ سمجھ میں آجاتا۔

میں نے اس کی بڑی بہن ریحانہ کی تصویر کے پیچھے دیکھا وہاں بھی ریحانہ کے نام کے ساتھ اس کی تاریخ پیدائش اسی انداز سے لکھی ہوئی تھی یعنی ۲ دسمبر ۱۹۵۵ء لیکن لکھنے کا انداز یوں تھا۔ ۵۵-۱۲-۲' اس حساب سے افسانہ اپنی بڑی بہن ریحانہ سے تقریباً دس برس چھوٹی تھی اور اس وقت اٹھارہ برس کی تھی۔

اچانک ہی دستک سنائی دی۔ میں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ دوسری بار دستک سنائی دی۔ میں نے پھر چونک کر دوسری طرف دیکھا۔ کمرے کے دوسرے طرف ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ دستک کی آواز وہیں سے آئی تھی۔ میں نے البم کو الماری میں رکھا اور دروازے کے قریب پہنچ کر پوچھا۔ "کون ہے؟"

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں ہوں کامل۔"

میں نے دروازہ کھول دیا۔ تب پتہ چلا کہ دروازے کے اس پار پچھلا زینہ ہے۔ کامل اس زینے کے اوپر' دروازے کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ پھر میں نے اسے اندر آنے کے لئے کہا۔ اس نے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا۔ "آپ کو اب کیا سراغ ہاتھ لگے گا۔ بہت دن گزر چکے ہیں؟"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "آپ درست کہتے ہیں؟"

"میں یہاں ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں۔"

"ہاں' فرمائیے میں سن رہا ہوں۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ اس لاکٹ کے اندر کوئی چیز ہے اور اس کے ذریعے جو کوئی ں میری بہن کو ہلاک کرنے آئے گا تو پکڑا جائے گا یا خود وہ قاتل گرفتاری کے خوف سے ری بہن کے قریب نہیں آئے گا؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ ہم سب نے لاکٹ کو باہر سے دیکھا ہے۔ اندر کیا ہے' یہ خدا جانتا ہے یا پھر وہ اجنبی گمنام شخص جانتا ہے جس نے لیٰ کے ذریعے اس لاکٹ کو یہاں تک پہنچایا ہے۔"

کامل نے کہا۔ "مجھے وہ اجنبی' گمنام شخص کوئی ماہر نفسیات معلوم ہوتا ہے۔ اس نے نفسیاتی طور پر کسی قاتل کو دھمکی دی ہے۔ اسے دہشت زدہ کر دیا ہے۔ وہ قاتل اس اکٹ کے اندر پہنچنے کے لئے کس قدر بے چین ہو گا' یہ وہی جانتا ہے۔"

میں نے کامل کو گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

اس نے جلدی سے سنبھل کر کہا۔ "دیکھئے! آپ میرے متعلق کوئی غلط رائے قائم نہ کریں۔ میں آپ کے متعلق کچھ معلومات حاصل کر چکا ہوں۔ آپ ایک پرائیویٹ سراغرساں ہیں لیکن خود کو لیلیٰ محسن کا پرائیویٹ سیکرٹری ظاہر کرتے ہیں۔ کیا آپ سراغرساں کی حیثیت سے میرا ایک کام کریں گے۔ آپ جو بھی معاوضہ طلب کریں گے میں ادا کروں گا۔"

میں نے پوچھا۔ "آپ اب تک اس گھر سے الگ رہے۔ آپ کی آمدنی کا ذریعہ ہے۔ آپ کہاں رہتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں؟"

"میں ایک بنک میں ملازم ہوں اور ایک کرائے کے مکان میں رہتا ہوں۔"

"پھر آپ ایک بنک کے ملازم ہو کر میرا معاوضہ کس طرح ادا کریں گے؟"

"آپ نے وصیت سن لی ہے۔ یہاں سے مجھے پچاس ہزار روپے ملنے والے ہیں آپ معاوضہ بتائیں۔"

"اگر میں کہوں دس ہزار روپے سے کام شروع کرنا ہو گا۔ دس ہزار میری جیب آجائیں گے۔"

"آپ اس کی فکر نہ کریں۔ آپ اگر پچاس ہزار کہیں گے تو میں وہ بھی دے دوں گا۔ مجھے کاروبار نہیں کرنا ہے۔ میں ملازمت کرتا ہوں اور سیدھی سادی زندگی بڑے آرام سے گزار رہا ہوں۔ مجھے صرف اس شخص کی تلاش ہے جس نے ابا جان کو قتل کیا اور اب میری بہن کی زندگی اس کی وجہ سے خطرے میں ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "آپ افسانہ سے بہت محبت کرتے ہیں؟"

اس نے جواب دیا "میں اپنے ابا جان کی ہر چہیتی محبت سے محبت کرتا ہوں۔ ریحانہ آپا سے بھی لیکن وہ مجھے پسند نہیں کرتیں۔ میرے متعلق غلط رائے قائم کرتی رہتی ہیں۔ بہرحال آپ مجھے بتائیں۔ کیا آپ میرا یہ کام کریں گے؟ کیا اس قاتل تک پہنچ سکیں گے؟ مجھے جیسے ہی یہاں سے پچاس ہزار روپے ملیں گے' میں آپ کو منہ مانگا معاوضہ لا کر دے دوں گا۔"

"معاوضے کی مجھے فکر نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں' آپ جیسا محبت کرنے والا بھائی اپنا سب کچھ قربان کر دے گا لیکن مجھے قاتل تک پہنچنے کے لئے آپ کی بہن افسانہ کے قریب رہنا ہو گا۔"

"آپ اس کوٹھی کی انیکسی میں رہ سکتے ہیں لیکن کوئی ایسی صورت نکالئے کہ قاتل جلد از جلد سامنے آجائے۔"

"اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ افسانہ کو اس شہر سے دور کسی ایسی جگہ لے جا کر رکھا جائے جہاں آبادی کم ہو۔ وہ قاتل واقعی بہت اضطراب میں مبتلا ہو گا۔ اس اجنبی شخص نے اس لاکٹ کے ذریعے ایک نفسیاتی حربہ استعمال کیا ہے۔ لہٰذا وہ قاتل جلد سے جلد افسانہ تک پہنچنے اور اس لاکٹ کے اندر جھانکنے کی کوشش کرے گا۔ جہاں آبادی کم ہو گی' وہاں وہ ہم سے چھپ نہیں سکے گا۔ یقیناً بے نقاب ہو گا۔ ہمارے سامنے سے ضرور گزرے گا۔"

"واقعی بہت اچھا آئیڈیا ہے۔ میں ریحانہ آپا اور کرامت بھائی سے کہوں گا تو وہ میری بات نہیں مانیں گے۔ اس لئے کہ وہ میری ہر بات کی مخالفت کرتے ہیں۔ میں یہ بات افسانہ کو سمجھاؤں گا۔ وہ شہر سے باہر جانے کی ضد کرے گی تو سب مجبور ہو جائیں

گے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔ اپنے وعدے کے مطابق جب بھی مجھے پچاس ہزار ملیں گے میں آپ کی رقم ادا کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ پھر اسی راستے سے باہر چلا گیا۔

میں نے دروازے کو بند کر دیا۔ ارادہ تھا کہ پھر اس البم کو نکالوں گا اور اس میں سے افسانہ کی تصویر لے کر چپ چاپ اپنے پاس رکھ لوں گا۔ اگر میرے لاشعور کا تجزیہ کیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ میں وہ تصویر عشقیہ انداز میں رکھ تو رہا ہوں لیکن اس کے پیچھے کوئی بات چھپی ہوئی ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بات مجھے کھٹکتی رہتی ہے اور میں سمجھ نہیں پاتا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ جب سمجھ میں نہیں آتا تو اس بات کے آس پاس رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اسی لئے میں وہ تصویر اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا' سوچنا اور سمجھنا چاہتا تھا کہ وہ تصویر میری توجہ کو کیوں پکار رہی ہے۔

اسی طرح خان اعظم خان کے متعلق بھی میں شبہ کر رہا تھا لیکن یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ آخر اس پر شبہ کیوں ہو رہا ہے' میں افسانہ کی تصویر حاصل کرنے کے لئے شیشے کی الماری تک پہنچ گیا لیکن اس البم کو نہ نکال سکا۔ اسی وقت وہ دروازہ کھلا جس دروازے میں سے اس کمرے کے اندر آیا تھا۔ وہاں بیرسٹر کرامت علی کھڑا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ "سوری' مسٹر ابن شہاب! آپ نے مداخلت کے لئے منع کیا تھا لیکن یہاں آپ کو بہت دیر ہو گئی اور میں اتنا مضطرب تھا کہ آپ کے پاس آئے بغیر نہ رہ سکا۔"

"کوئی بات نہیں۔ فرمایئے' آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں' میں اس لاکٹ کے متعلق بہت پریشان ہوں۔ سوچ رہا ہوں کہ کہیں اس سے افسانہ کو نقصان نہ پہنچے۔ اس اجنبی گمنام شخص نے اگرچہ بہت ہی نفسیاتی حربہ استعمال کیا ہے۔ قاتل جو بھی ہوگا' اس وقت بڑی پریشانی میں مبتلا ہوگا اور کسی لمحہ بھی افسانہ تک پہنچنے اور اس لاکٹ میں جھانکنے کی ضرور کوشش کرے گا۔"

میں نے مسکرا کر اسے غور سے دیکھا۔ وہ جلدی سے سنبھل کر بولا۔ "دیکھئے' آپ میرے متعلق کوئی غلط رائے قائم نہ کریں۔ اس اجنبی شخص نے اگرچہ یہ نفسیاتی حربہ استعمال کیا ہے لیکن ہم افسانہ کے سگے ہیں۔ ہم بھی پریشانیوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔"

"یقیناً وہ لاکٹ دشمن کے لئے نہیں' دوستوں کے لئے بھی مصیبت بن گیا ہے۔"

"دیکھئے' مسٹر ابن شہاب! میں لیلیٰ کے ذریعے معلوم کر چکا ہوں کہ آپ ایک پرائیویٹ سراغرساں ہیں لیکن خود کو ظاہر نہیں کرتے اور لیلیٰ کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ میں آپ کی خدمات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "جی ہاں' یہی خدمات کہ آپ کے سسر کے قاتل تک پہنچنے کی کوشش کروں۔"

"وہ تو آپ لیلیٰ کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے کریں گے لیکن میں ایک پرائیویٹ سراغرساں کی حیثیت سے آپ کو افسانہ کی حفاظت پر مامور کرنا چاہتا ہوں۔ جو بھی معاوضہ ہوگا میں پیشگی ادا کر دوں گا۔"

"معاوضہ میں کیا بتاؤں۔ جان کی قیمت الگ الگ ہوتی ہے۔ اگر کوئی غریب عورت ہو تو اس کی جان دو کوڑی کی بھی نہیں ہوتی۔ کوئی رئیس زادی ہو تو اس کی قیمت اس کے اپنے لوگ ہی لگا سکتے ہیں۔ آپ جو مناسب سمجھیں اس کی حفاظت کے لئے رقم مقرر کر لیں لیکن اس کے لئے مجھے آپ کی سالی افسانہ کے قریب رہنا ہوگا۔"

"جی ہاں' بے شک' آپ ہماری کوٹھی کی انیکسی میں رہ سکتے ہیں مگر ہم چاہتے ہیں کہ آپ ایک ایسی لائن آف ایکشن بھی ترتیب دیں کہ قاتل جلد ہی گرفت میں آجائے۔ جب تک ایسا نہیں ہوگا ہم سکون سے نہیں رہ سکیں گے۔"

"میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے۔ ہم افسانہ کو اس شہر سے دور ایسی جگہ لے جائیں' جہاں آبادی کم ہو۔ وہ قاتل یقیناً بہت ہی اضطراب میں مبتلا ہوگا اور جلد از جلد افسانہ تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ جہاں آبادی کم ہوگی' وہاں وہ ہم سے چھپ نہیں سکے گا۔ نگاہوں کے سامنے آئے گا۔"

اس نے خوش ہو کر کہا۔ "بہت ہی عمدہ آئیڈیا ہے۔ ہم کل صبح ہی یہاں سے باہر جانے کا پروگرام بنائیں گے اور آپ کو بھی اس سے آگاہ کر دیں گے۔ اگر آپ نے قاتل کو گرفت میں لے لیا اور ثبوت اس کے خلاف فراہم کر دیئے تو میں آپ کو ایک لاکھ روپے دوں گا۔ فی الحال پیشگی کے طور پر دس ہزار کا چیک لکھ رہا ہوں۔"

وہ اپنی پتلون کی جیب سے ایک چیک بک کو نکالنے کے بعد اوپری جیب سے قلم کو نکال کر لکھنے جارہا تھا۔ میں نے کہا۔ ”میں نے ایک لاکھ روپے کبھی ایک ساتھ نہیں دیکھے۔ کیا آپ ایک لاکھ کا چیک لکھ کر میری یہ خواہش پوری کر سکتے ہیں؟ دیکھئے‘ میں بات صاف طور پر کرنا چاہتا ہوں۔ اگر کسی مرحلے پر آپ ہی افسانہ کے متوقع قاتل ثابت ہوگئے تو میں ایک لاکھ کس سے وصول کروں گا؟“

اچانک ہی اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ میری بات اس کے دماغ میں جاکر لگی تھی۔ اسے غصہ آرہا تھا۔ پھر وہ قہقہہ لگانے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ ”بھئی‘ بہت خوب۔ تم اپنے لین دین میں بہت کھرے ہو۔ پہلے ہی دام وصول کرلینا چاہتے ہو لیکن میں قاتل کو قانون کی گرفت میں دیکھنے کے بعد ہی تمہیں پوری رقم دوں گا۔ بشرطیکہ وہ قاتل تمہارے ذریعے گرفت میں آئے۔ فی الحال میں پچیس ہزار کا چیک لکھ رہا ہوں۔“ اس نے چیک لکھا۔ دستخط کئے پھر میرے حوالے کردیا۔ اس کے بعد مصافحہ کرکے وہاں سے چلاگیا۔

میں نے اس چیک کو ہونٹوں سے لگا کر چوما پیار سے تہہ کیا پھر جیب میں رکھ لیا۔

ارادہ تھا کہ اب کامل سے بھی پچیس ہزار وصول کروں گا لیکن اسے رقم ملنے میں ذرا دیر تھی۔ بہرحال پچیس ہزار کی آمدنی اس کمرے میں ہوچکی تھی۔ مزید آمدنی کی توقع تھی۔ میں نے مقتول سرفراز علی خان کے خالی بستر کی طرف دیکھتے ہوئے زیر لب کہا۔ ”واہ بڑے میاں! تم تو بڑی آمدنی کا ذریعہ بن گئے ہو اور کوئی آجائے۔“

تھوڑی دیر بعد پھر دروازہ کھلا۔ اس بار خان اعظم خان ہاتھ میں چائے کی ٹرے لئے نظر آیا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے کہا۔ ”وہ ملازم یہاں چائے لارہا تھا میں نے کہا‘ پتہ نہیں وہ کیا بکواس کرے گا۔ آپ کو یہاں خاموشی اور ذہنی یکسوئی کی ضرورت ہے۔ میں چائے بنا کر ابھی چلا جاؤں گا۔“ اس نے ایک تپائی پر وہ ٹرے رکھی۔ پھر ایک پیالی میں میرے لئے چائے بنانے لگا۔

میں نے مسکرا کر کہا۔ ”وہ لاکٹ سب کو پریشان کر رہا ہے؟“

اس کے ہاتھ سے کیتلی چھوٹتے چھوٹتے رہ گئی۔ اس نے فوراً ہی اسے سنبھال لیا۔ پھر پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے بولا۔ ”جی‘ جی ہاں۔ جس اجنبی‘ گمنام آدمی نے وہ لاکٹ

یہاں افسانہ بی بی کے پاس بھیجا ہے‘ وہ بہت ذہین اور چالاک ہے۔ اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ قاتل جو کوئی بھی ہے وہ افسانہ بی بی پر حملہ نہیں کرے گا۔ یہ معلوم کرنا چاہے گا کہ اس میں ایسی کون سی چیز چھپی ہوئی ہے جو اسے بے نقاب کرسکتی ہے۔“

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ ”تمہارا خیال بالکل درست ہے۔ اس قاتل کے خلاف کچھ واضح اور ٹھوس قسم کے ثبوت کہیں چھپا کر رکھے گئے ہیں اور اس لاکٹ کے اندر اس جگہ کا پتہ موجود ہے۔ یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔“

اس نے چائے کی پیالی میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”آپ کو بھی تجسس ہوگا کہ اس لاکٹ کے اندر کیا ہے؟“

”میں نے کہہ تو دیا کہ اس میں اس جگہ کا پتہ ہوگا‘ جہاں اس قاتل کے خلاف ثبوت موجود ہے۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں سوچتا۔ چونکہ میں زیادہ نہیں سوچتا اس لئے تجسس میں گرفتار نہیں ہوتا۔“

اس نے پوچھا۔ ”کیا اس کمرے سے کوئی سراغ مل سکتا ہے آپ نے کچھ حاصل کیا؟“

میں نے اپنی اوپری جیب کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں‘ بہت کچھ حاصل کیا ہے اور ابھی بہت کچھ حاصل کرنے والا ہوں۔“

اس کی پریشان نظریں بے اختیار میری جیب کی طرف گئیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ میں جیب میں رکھے ہوئے پچیس ہزار کے چیک کو تھپتھپا رہا ہوں۔ دوسرے ہی لمحے اس نے مجھے بے یقینی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”چالیس دن گزر چکے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ قاتل کے خلاف کوئی سراغ آپ کے ہاتھ لگے گا۔“

”ہاں‘ قاتل اپنے آپ کو بہت ہوشیار سمجھتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ کبھی بدحواسی یا عجلت میں ان سے بھول چوک ہوجاتی ہے۔ بہرحال اب تم جاؤ۔ میں تنہائی چاہتا ہوں۔“ وہ جانا نہیں چاہتا تھا لیکن جانے لگا۔

میں نے کہا۔ ”سنو‘ تم مرحوم سرفراز علی خان کے قریب رہے ہو۔ اس کمرے میں یقیناً آئے ہوگے۔“

"جی؟" اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "جی نہیں، یہ ہمارے مالک کا ذاتی کمرہ ہے۔ یہاں صرف ان کے بچے آتے تھے۔ وہ ہم سے ڈرائنگ روم میں ملاقات کیا کرتے تھے۔ میں پہلے یہاں نہیں آیا۔"

"مجھے افسانہ بی بی کی ایک تصویر چاہئے۔ کیا تم..........؟"

میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اس نے بے اختیار کہا۔ "تصویر تو وہاں البم میں.........."

وہ کہتے کہتے ایک دم سے ٹھٹک گیا۔ اسے خیال آیا کہ وہ اس کمرے میں کبھی نہیں آیا ہے۔ پھر اس الماری کی طرف کیسے اشارہ کر رہا ہے کہ وہاں اس البم میں افسانہ کی تصویر رکھی ہوئی ہے۔ میں نے الماری کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ اس نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔ "دراصل بات یہ ہے کہ ایک دن میں ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارے مالک نے ملازم سے کہا تھا کہ میرے بیڈ روم میں جاؤ اور شیشے کی الماری سے البم نکال کر لے آؤ۔ اس میں میرے تمام بچوں کی تصویریں ہیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یقیناً تمہارے مالک نے یہ کہا ہوگا۔ اب جاؤ۔ مجھے کام کرنے دو۔"

وہ جلدی سے پلٹ کر چلا گیا۔ میں چائے پینے لگا اور چائے پینے کے دوران کمرے پر ایک سرسری نظر ڈالنے لگا۔ یہ دیکھنے لگا کہ کوئی چیز میری نظروں میں آنے سے نہ رہ گئی ہو۔ پھر چائے ختم کرنے کے بعد شیشے کی الماری کے پاس گیا وہاں سے البم میں سے میں نے افسانہ کی تصویر نکالی اور اسے اوپری جیب میں اس پچیس ہزار کے چیک کے ساتھ رکھ لیا۔ پھر میں نے پچھلے چھوٹے سے دروازے کو کھولا۔ وہاں سے ایک زینہ نیچے کی طرف گیا تھا۔ جب میں اس زینے سے اتر کر وہاں پہنچا تو سامنے کچن کا دروازہ کھلا ہوا نظر آیا۔ وہاں ایک جوان عورت کام میں مصروف تھی۔ اس کے علاوہ باورچی بھی تھے لیکن اس ملازمہ کو دیکھتے ہی مجھے خیال آیا کہ یہ یقیناً وہی ہوگی جس نے قتل کی واردات کے دن اپنی منگنی کے لئے چھٹی لی تھی۔ میں باورچی خانے میں آگیا اور اس ملازمہ سے پوچھا۔ "تمہارا نام

کیا ہے؟"

وہ مجھے اجنبی سمجھ کر گھورنے لگی۔ ایک باورچی نے کہا۔ "اری یہ وہی صاحب ہیں جو بیرسٹر صاحبہ کے ساتھ آئے ہیں۔ صاحب جی! اس کا نام چندا ہے۔"

میں نے پوچھا "کیا جس دن یہاں تمہارے مالک کا قتل ہوا، اس روز چندا کی منگنی تھی؟"

باورچی نے کہا۔ "جی ہاں، ہم نے تو یہی سنا ہے۔ ہم یہاں ملازمت نہیں کرتے ہیں۔ آج مہمان بہت زیادہ آئے ہیں۔ اس لئے ہمیں پکانے کے لئے بلایا گیا ہے۔ اے ری چندا! تُو جواب کیوں نہیں دیتی ہے؟"

میں نے چندا کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔ "تم اپنے منگیتر کا نام اور پتہ بتاؤ؟"

وہ کام کرتے کرتے رک گئی۔ سر جھکا کر اپنے سر پر آنچل رکھ کر کسی قدر شرمانے لگی۔ میرے اصرار کرنے پر اس نے نام اور پتہ بتایا۔ میں نے اسے ذہن نشین کرلیا۔ پھر اسی کچن کے اندرونی راستے سے ہو کر بڑے سے ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔ وہاں کچھ رشتے دار جاچکے تھے۔ باقی وہ لوگ رہ گئے تھے جو افسانہ کے ہونے والے سسرالی رشتے دار تھے۔ لیلیٰ ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھ سے نظریں ملتے ہی اس نے ایک دم سے نظریں جھکالیں۔ اس کا چہرہ حیا سے تمتمانے لگا۔ میں نے مسکرا کر افسانہ کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی بہن ریحانہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

ریحانہ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مسٹر ابن شہاب ابھی یہ مجھ سے کہہ رہے تھے.........."

میں نے ٹوکتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کون؟"

"بھئی میں اپنے شوہر کے متعلق کہہ رہی ہوں۔ یہ ابھی مجھے بتا رہے تھے کہ آپ نے افسانہ کو شہر سے دور کہیں لے جانے کا مشورہ دیا ہے۔ یہ مشورہ مجھے بھی معقول لگ رہا ہے۔ کیا آپ ہمارے ساتھ چلیں گے؟"

میں نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اس سلسلے میں آپ کے شوہر کرامت علی سے میرے معاملات طے ہوگئے ہیں۔ میں یقیناً ساتھ چلوں گا۔ بائی دی وے، کہاں چلنے کا

ارادہ ہے؟"

ریحانہ نے کہا۔ "میں تو کہہ رہی ہوں کہ ہم اپنے آبائی گاؤں میں چلیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ گوتم کے جزیرے میں چلیں گے۔"

میں نے کہا۔ "یہ درست کہتے ہیں۔ ہم کل صبح گیارہ بجے لانچ میں سوار ہوں گے۔ شام چار' پانچ بجے تک اس جزیرے تک پہنچ جائیں گے۔ لانچ میں محدود مسافر ہوتے ہیں۔ وہ قاتل اگر وہاں موجود رہا تو مجھ سے چھپ نہیں سکے گا اور نہ ہی اسے فرار کا راستہ مل سکے گا۔ آپ کے شوہر کرامت علی صاحب کا مشورہ معقول ہے۔"

افسانہ اپنی بہن کے پاس سے اٹھ کر میرے پاس آئی اور قریب ہی ایک صوفے پر بیٹھ کر بولی۔ "شہاب صاحب! کیا آپ کو یقین ہے کہ جزیرے میں پہنچنے سے پہلے ہی وہ قاتل ہاتھ آجائے گا؟"

"یقین تو ہے' ویسے قاتل یہیں کہیں ہے۔ کیوں نہ اس سے پوچھ لیا جائے؟"

وہ جبراً مسکراتے ہوئے بولی۔ "آپ بڑی ہی دلچسپ باتیں کرتے ہیں۔ مسکرانے کو جی چاہتا ہے لیکن میں اپنے قاتل کی بات سن کر کیسے مسکرا سکتی ہوں۔ آپ یقین کریں یہ لاکٹ میرے سینے پر یوں ہے جیسے پتھر رکھا ہو۔ بڑی بے چینی محسوس ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں کب یہ مجھ سے الگ ہوگا؟"

دور بیٹھی ہوئی لیلیٰ بھی کبھی کبھی نظریں اٹھا کر مجھے دیکھتی تھی اور افسانہ سے باتیں کرتے دیکھ کر غصے کا اظہار کرتی تھی۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب مجھے چلنا چاہئے۔ لیلیٰ کا وقت بہت قیمتی ہے۔ میں ان کے ساتھ جارہا ہوں۔ اپنا ضروری سامان لے کر کل صبح آجاؤں گا۔ کل صبح تک افسانہ کو آپ لوگوں کے حوالے کر رہا ہوں۔ کل کے بعد ان کی حفاظت کی ذمے داری مجھ پر ہوگی۔"

ریحانہ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مسٹر ابن شہاب کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی بہن کے نیکلس کو اپنے گلے میں پہن لوں۔ قاتل کو آنا ہوگا تو میرے پاس آئے گا؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جب سے یہ نیکلس افسانہ کے پاس آیا ہے۔ اس

وقت سے اب تک کامل صاحب' کرامت صاحب' اعظم صاحب اور آپ نے اپنے اپنے جذبوں اور محبت کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ میں جانتا ہوں آپ سب افسانہ کو بے حد چاہتے ہیں۔ چاہت کا اظہار اس طرح ہونا چاہئے کہ کل میرے آنے تک ان کی پوری طرح حفاظت کی جائے۔ ویسے ریحانہ صاحبہ' آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ قاتل افسانہ کو جانی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس کی تمام تر کوشش صرف لاکٹ کو حاصل کرنے کے لئے ہوگی۔"

میں انہیں تسلیاں دے کر لیلیٰ کے پاس آیا۔ پھر اس کی طرف جھک کر آہستگی سے بولا۔ "کیا بات ہے۔ مجھ سے ناراض ہو؟ آؤ' چلیں۔"

وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ میں نے پھر آہستگی سے کہا۔ "اگر نہیں چلو گی تو میں تمہارا ہاتھ پکڑوں گا۔ پھر لوگ ہمارے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔"

وہ فوراً ہی کھڑی ہوگئی۔ اس نے بریف کیس اٹھایا۔ پھر میری طرف دیکھے بغیر آگے بڑھ کر ڈرائنگ روم سے باہر جانے لگی۔ میں نے جاتے جاتے افسانہ پر الوداعی نظر ڈالی۔ کامل' کرامت اور اعظم کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔ ریحانہ کو سلام کیا۔ پھر وہاں سے باہر آگیا۔ اس وقت تک لیلیٰ اپنی کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔ میں نے اسٹیئرنگ سیٹ کے پاس آکر کہا۔ "تم جانتی ہو کہ میں ٹیکسیوں میں سفر کرتا ہوں۔ میرے پاس تمہاری طرح گاڑی نہیں ہے۔ کبھی کبھی تمہاری گاڑی چلانے کا موقع ملتا ہے۔ تم یہ موقع نہیں دینا چاہتیں۔ چلو' ادھر بیٹھو' میں ڈرائیو کروں گا۔"

وہ سر جھکائے بیٹھے ہی بیٹھے دوسری سیٹ کی طرف کھسک گئی۔ میں دروازہ کھول کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ گاڑی کو اسٹارٹ کیا اور اسے آگے بڑھاتے ہوئے کوٹھی کے احاطے سے باہر نکل گیا۔

وہ ایئر کنڈیشنڈ' قیمتی کار' چکنی سڑک دوڑتی جارہی تھی۔ ہمارے درمیان خاموشی تھی۔ میں نے تھوڑی دیر تک خاموشی برداشت کی پھر کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اب منہ پھلائے کیوں بیٹھی ہو۔ میرا قصور نہیں تھا۔ دروازہ تم نے اندر سے بند کیا تھا۔ تم نے شہہ دی۔ میں شہہ زور بن گیا۔"

وہ ایک دم سے بپھر کر بولی۔ "میں تمہیں ہزار بار سمجھا چکی ہوں کہ میں تم سے عمر میں بڑی ہوں۔ آئندہ مجھے ہاتھ لگاؤ گے تو میں گولی مار دوں گی۔"

"جو تمہارے ہاتھوں پہلے ہی مر چکا ہو اسے اور کیا مارو گی۔ ویسے تم مجھ سے کتنی بڑی ہو۔ دو چار ماہ کی' دو چار سال کی یا دو چار صدیوں کی؟ جب تم عدالت میں بولتی ہو تو وہاں تمہاری عمر کا نہیں بلکہ ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ کون تمہیں عمر رسیدہ کہے گا۔ تم قد میں مجھ سے چھوٹی ہو۔ وزن میں مجھ سے آدھی ہو۔ قمری راتوں کے حساب سے تمہاری عمر گنتی کی جائے تو چودھویں رات کے چاند کا حسن ہو تمہارا سراپا پہلی رات کے چاند کی طرح دھان پان سا نازک سا ہے۔ کم عمری میں بیوہ ہو جانے کے مطلب یہ نہیں ہوتا کہ تم اپنے سامنے والے سے بڑی ہو گئی ہو۔ ہمارے ہاں بیوہ کی جوانی سب سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے اور مجھے خطرات سے کھیلنے کا شوق ہے۔"

اس کا ہاتھ بے اختیار اپنی دھڑکنوں پر جا کر ٹھہر گیا۔ وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اسی طرح بیٹھے بیٹھے دوسری طرف منہ پھیر لیا تاکہ چہرہ چغلی نہ کھائے۔

میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ چپ چاپ ڈرائیو کرتا رہا۔ جب اس کی کوٹھی کے پورچ میں کار رک گئی تو اس نے فوراً ہی دروازہ کھولا اور اتنی پھرتی سے باہر نکلی جیسے اگر ذرا بھی دیر کرتی تو میں اسے پکڑ لیتا۔ وہ مجھے ہزار جان سے چاہنے کے باوجود مجھ سے سہمی ہوئی تھی۔ تیزی سے چلتے ہوئے' کوٹھی کے دروازے کو کھول کر اندر چلی گئی۔

جب میں گاڑی کو لاک کر کے اندر آیا تو ملازمہ نے کہا۔ "بیگم صاحبہ اپنے بیڈ روم میں چلی گئی ہیں۔ کیا آپ کے لئے کھانا لگا دوں؟"

میں نے اسے کھانا لگانے کے لئے کہا۔ پھر ٹیلیفون کے پاس آ کر ریسیور اٹھایا۔ گارڈن ایریا میں ایک بدنام شخص مائیکل رہتا تھا میں نے اس کے نمبر ڈائل کئے۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہو گیا۔ دوسری طرف سے اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "اے بھائی! یہ شریف آدمیوں کے سونے کا وقت ہے۔ کیوں خالی پیلی ڈسٹرب کرتا ہے؟"

میں نے کہا۔ "ابے او شریف آدمی کے بچے! میں تمہارا باپ ابن شہاب بول ر ہوں۔ غور سے سنو۔ تمہارے قریب ہی عیسیٰ کالونی میں مکان نمبر D-3 ہے۔ اس مکا

میں ایک شخص کریم بخش رہتا ہے۔ اس کے متعلق معلوم کرو۔ وہ کون ہے' کہاں کا رہنے والا ہے' اس کا دھندا کیا ہے اور اس کے تعلقات کیسے لوگوں سے ہیں؟"

"ٹھیک ہے میں معلوم کر لوں گا۔"

"کر لوں گا نہیں' ابھی کرو۔ اگر آدھے گھنٹے کے اندر مجھے کریم بخش کے متعلق صحیح معلومات حاصل نہ ہوئیں تو یہ میں بھی جانتا ہوں اور تم بھی جانتے ہو کہ تمہارے مکان کے پچھلے حصے میں جوئے کا کاروبار چلتا ہے۔ وہ دھندا اس وقت بھی زور و شور سے جاری ہو گا۔"

اس نے جلدی سے کہا۔ "نہیں نہیں شہاب صاحب! بس آدھے گھنٹے کے اندر' ابھی میں فون کرتا ہوں' نمبر کیا ہے؟"

میں نے لیلیٰ کا فون نمبر بتایا۔ پھر ریسیور رکھ دیا۔ مقتول سرفراز علی خان کی ملازمہ چندا کے منگیتر کا نام کریم بخش تھا۔ یہ بات بڑی وضاحت سے سمجھ میں آ رہی تھی کہ قتل کی واردات کے دن ملازمہ چندا کو جان بوجھ کر اس کوٹھی سے ہٹایا گیا تھا۔ قتل کا پروگرام بہت پہلے سے ہو گا۔ دن' تاریخ' وقت سب مقرر کیا گیا ہو گا۔ یقیناً چندا کی منگنی کی تاریخ بھی وہی رکھی گئی ہو گی۔ میں سوچتا ہوا کھانے کی میز پر آیا۔ ملازمہ نے کھانا لگا دیا تھا۔ میں نے کہا۔ "جاؤ' اپنی بیگم صاحبہ کو کھانے کے لئے کہو۔"

"نہیں جناب! انہوں نے منع کیا ہے کہ انہیں آواز نہ دی جائے۔"

میں نے کھانا شروع کیا۔ کھانے کے دوران میرے خیالات کبھی بیرسٹر کرامت علی' کبھی کامل سرفراز اور کبھی خان اعظم خان کی طرف بھٹک رہے تھے۔ تینوں ہی میری نظروں میں مشکوک تھے۔ میرے شبہات کی فہرست میں پہلا اور دوسرا نام کرامت علی خان اور کامل سرفراز کا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں نے دولت اور جائیداد کی خاطر سرفراز علی خان کو قتل کیا ہو۔ وہ اس جائیداد میں سے زیادہ سے زیادہ حصے دار بننے کے لئے افسانہ کو بھی راستے سے ہٹا سکتے تھے۔ ان دونوں کے بعد خان اعظم خان پر میں شبہ کیوں کر رہا تھا؟ میں ابھی تک نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ شاید آنکھ مچولی کھیلنے والے مجرموں کے چہرے پہچاننے مجھے آ گئے تھے۔ اعظم خان کی آنکھیں بڑی بڑی اور سرخ تھیں۔ چہرہ بھی

ایسا بھاری بھرکم تھا کہ شیر ببر لگتا تھا۔ اس کے ہاتھ لانبے اور پنجے چوڑے تھے۔ فولاد کے کارخانے کا جنرل منیجر تھا۔ خود بھی فولادی نظر آتا تھا لیکن میرے سامنے وہ ایسے خوشامدانہ انداز میں باتیں کرتا رہا تھا جیسے بہت ہی کمزور' خاکسار اور مسکین ہو۔ اپنے آپ کو بزدل ظاہر کرتا تھا۔ شاید اس کی یہی باتیں اور حرکتیں مجھے شبہ میں مبتلا کر رہی تھیں۔

میں کھانا ختم کرکے جیسے ہی اٹھا فون کی گھنٹی سنائی دی۔ میں تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ پھر ریسیور اٹھا کر سنا تو دوسری طرف سے مائیکل تھا۔ میں نے کہا۔

"ہاں' بولو۔"

وہ بولا۔ "جناب عیسیٰ کالونی کا دادا اس وقت میرے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ یہ اس کالونی کے تمام باشندوں کو جانتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کریم بخش ایک سیدھا سادا سا بے ضرر مزدور ہے کسی سے آج تک اس نے جھگڑا نہیں کیا اور پانچوں وقت کی نماز بھی پڑھتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "اس بدمعاش کو ریسیور دو۔ جو عیسیٰ کالونی کا دادا کہلاتا ہے۔"

دوسرے چند لمحوں کے بعد میں نے ایک اجنبی آواز سنی اس نے کہا۔ "جناب! مائیکل صاحب نے آپ کے متعلق بتایا ہے۔ آپ کو کون نہیں جانتا۔ ہم بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو حکم دیجئے۔"

میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں زیادہ باتیں سننے کا عادی نہیں ہوں۔ جتنا سوال کروں اتنا ہی جواب دو۔ کریم بخش کیا کام کرتا ہے؟"

"جناب وہ سرفراز آئرن مل کا مزدور ہے۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ اس کی منگنی اس ملازمہ سے ہوئی ہے جو سرفراز علی خان کی کوٹھی میں کام کرتی ہے؟"

"جناب! یہ میں نہیں جانتا۔"

"کیا کریم بخش کو معلوم ہے کہ اس کے متعلق تحقیقات کی جا رہی ہے؟"

"نہیں جناب! میں نے تو اس سے کچھ نہیں کہا ہے۔"

"اور آئندہ بھی کچھ نہیں کہو گے۔" کہہ کر میں نے ریسیور رکھ دیا تھوڑی دیر تک

سوچتا رہا۔ اس کے بعد میں نے اپنے اسسٹنٹ جمی کو فون کیا۔ لیلیٰ محسن کا ایک چھوٹا سا کاٹیج سپرہائی وے کی نئی آبادی میں تھا۔ وہ کاٹیج میرے نام ہو گیا تھا۔ جمی میرے ساتھ وہیں رہتا تھا۔ فون پر اس کی آواز سنتے ہی میں نے کہا۔ "بس بہت آرام کر چکے۔ موٹر سائیکل لو اور گارڈن کے قریب عیسیٰ کالونی میں پہنچو۔ وہاں ایک مکان ڈی نمبر ۳ ہے۔ اس مکان میں کریم بخش رہتا ہے۔ تم انٹیلی جنس کے آدمی بن کر اس سے چند سوالات کرو گے۔ سوالات کی تفصیل جاننے سے پہلے یہ سمجھ لو کہ چندا سرفراز علی خان کی ملازمہ ہے۔ سرفراز علی خان کو آج سے چالیس دن پہلے قتل کر دیا گیا ہے۔ ٹھیک قتل کے دن چندا کی منگنی کریم بخش سے ہوئی اس کے پیچھے کوئی سازش نظر آ رہی ہے۔ جو سوالات کرنے ہیں وہ یہ ہیں۔

چندا اور کریم بخش ایک دوسرے کو کتنے عرصے سے جانتے ہیں؟

کیا ان کی منگنی عشق و محبت کا نتیجہ ہے؟

اگر کریم بخش کے والدین نے چندا کو بہو کے طور پر پسند کیا ہے تو کیا کریم بخش' چندا کو پہلے دیکھ چکا تھا یا والدین کی رضامندی پر شادی کر رہا ہے؟

اگر کریم بخش کے والدین نے چندا کو پسند کیا ہے تو وہ چندا تک کیسے پہنچے؟ انہوں نے پہلی بار چندا کو کب اور کہاں دیکھا؟ کس کے ذریعے دیکھا؟

کیا یہ منگنی کرانے میں سرفراز آئرن مل کے کسی شخص کا تعاون شامل ہے؟ اگر ہے تو وہ شخص کون ہے؟ اس کا نام اور پتہ معلوم کرو؟ ان تمام سوالات کے جواب حاصل کرنے کے بعد کریم بخش کو سختی سے تاکید کرنا کہ وہ تمہاری اس تحقیقات کا ذکر آئرن مل کے کسی بھی شخص سے نہ کرے۔"

جمی نے پوچھا۔ "باس! ان سوالات کے جواب آپ کہاں سنیں گے؟"

"میں لیلیٰ محسن کی کوٹھی میں ہوں۔ تم جب تک نہیں آؤ گے' میں یہیں رہوں گا۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ تھوڑی دیر تک صوفے پر بیٹھا رہا۔ پھر میں نے پلٹ کر اس کوریڈور کو دیکھا جہاں سے گزرنے کے بعد لیلیٰ کی خواب گاہ آتی تھی وہاں بالکل سناٹا

تھا۔ ویرانی تھی۔ ویرانی اس لئے کہ وہ نظر نہیں آرہی تھی۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ اپنا دھیان بٹانے کے لئے جمی کے متعلق سوچنے لگا کہ وہ ابھی اپنی موٹر سائیکل پر تیز رفتاری سے کریم بخش کی طرف جارہا ہوگا۔

اس کے متعلق سوچتے وقت مجھے خیال آیا کہ ایک اہم سوال رہ گیا ہے۔ وہ سوال یہ کہ چندا اور کریم بخش کی منگنی کی تاریخ اور دن کس نے مقرر کیا تھا؟ کیا اس کے والدین نے یا خود.......... کریم بخش نے' یا کریم بخش کو اس دن منگنی کرنے کا کسی نے مشورہ دیا تھا؟

ملازمہ چائے لے آئی' میں نے پوچھا۔ "تم کوٹھی سے کس وقت جاتی ہو؟"

"بس جی! کام جب بھی ختم ہو جاتا ہے' میں چلی جاتی ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ اپنا کام ختم کر کے جاؤ۔ جب مجھے یہاں سے جانا ہوگا تو میں تمہاری بیگم صاحبہ کو اطلاع دے دوں گا۔ وہ دروازے کو اندر سے بند کرلیں گی۔"

ملازمہ چلی گئی۔ میں چائے پینے لگا۔ اچانک افسانہ کی تصویر کا خیال آیا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اس تصویر کو نکالا۔ وہ میری نگاہ کے سامنے مسکرا رہی تھی۔ میں نے اسے ایک گلدان سے لگا کر میز پر رکھ دیا۔ وہ عین نگاہوں کے سامنے تھی۔ میں کچھ پریشان ہوگیا۔ حالانکہ اسے دیکھ کر خوش ہونا چاہئے تھا کسی رومانی جذبے میں بہنا چاہئے تھا لیکن وہ تصویر مجھے پریشان کر رہی تھی۔ کوئی بات میرے دماغ میں کھٹک رہی تھی اور میں اسے سمجھ نہیں پارہا تھا۔ ایسا خان اعظم خان کے ساتھ بھی ہو رہا تھا۔ مگر اس کے بارے میں کسی حد تک میں اس نتیجے پر پہنچ گیا تھا کہ اس کی حرکتیں اور اس کی باتیں مجھے شبہے میں مبتلا کرتی ہیں لیکن افسانہ کے سلسلہ میں شبہے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ نازک اندام لڑکی نہ تو اپنے باپ کو قتل کر سکتی تھی' نہ ہی اپنے قتل ہونے کا ڈرامہ کھیل سکتی تھی۔ اس کی ذات سے اتنی زیادہ ذہانت کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔

میں تصویر کو دیکھتا جارہا تھا۔ سوچتا جارہا تھا۔ پھر میں نے اسے الٹ کر دیکھا۔ پیچھے لکھا ہوا تھا' افسانہ سرفراز تاریخ پیدائش ٦٥-٦-٩' تعجب ہے اس انداز میں تاریخ پیدائش میں نے کبھی کسی کو لکھتے نہیں دیکھا جس طرح وہ لکھی ہوئی تھی۔ اسے اکائی' دہائی

کے حساب سے پڑھا جاتا تو وہ نوہزار چھ سو پینسٹھ گنتی میں آتا۔ ورنہ دن' مہینے اور سال کو الگ کیا جاتا تو تاریخ' چھٹا مہینہ اور انیس سو پینسٹھ سمجھ میں آتا۔

یہ باتیں میں پہلے بھی سمجھ چکا تھا۔ اس کے باوجود وہی باتیں میرے دماغ میں گھوم رہی تھیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا اور میں اپنے ذہن کو ابھی بہت زیادہ الجھانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے تصویر کو اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

ملازمہ نے آکر کہا۔ "جناب! میرا کام ختم ہوگیا ہے۔ میں بیگم صاحبہ سے اجازت لے کر آتی ہوں۔"

"تم یہیں ٹھہرو' میں ابھی فون پر اجازت لیتا ہوں۔"

میں نے ریسیور اٹھا کر کریڈل کو دو چار مرتبہ کھٹکھٹایا۔ اس ٹیلیفون کا کنکشن لیلیٰ کے بیڈ روم سے تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو؟"

"میں ہوں۔"

وہ چپ رہی۔ میں نے کہا۔ "ملازمہ نے کام ختم کرلیا ہے اور وہ جارہی ہے۔ تم سے اجازت لینا چاہتی ہے۔"

"اس سے کہو' جب تم چلے جاؤ گے تب وہ یہاں سے جائے گی۔"

"کیا تم اسے تمام رات یہاں کوٹھی میں روکنا چاہتی ہو۔ جبکہ جانتی ہو کہ میں یہاں مصروف ہوں۔"

"میں نہیں جانتی کہ تم کیسے مصروف ہو؟"

"بننے کی کوشش نہ کرو۔ جب بھی میں نے یہاں سے فون اٹھا کر مائیکل کو یا اپنے اسسٹنٹ جمی کو فون کیا ہے' تم نے دوسری طرف سے ریسیور اٹھا کر سنا ہے۔ میں اتنا نادان نہیں ہوں۔ اب میں یہاں جمی کی واپسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ یہ بے چاری کب تک یہاں رہے گی۔ میں اسے ریسیور دے رہا ہوں' تم اجازت دے دو۔"

میں نے ملازمہ کو ریسیور دیا۔ اس نے ریسیور ہاتھ میں لے کر کہا۔ "ہیلو! بیگم صاحبہ میں جاؤں؟"

وہ ذرا دیر تک سنتی رہی پھر اس نے ریسیور واپس کردیا اور مجھے سلام کر کے جانے

لگی۔

میں نے ریسیور کو کان سے لگا کر کہا۔ "دیکھو' ریسیور نہ رکھنا۔ میری ایک بات کا جواب دو۔ جب تمہیں معلوم ہوچکا تھا کہ......... سرفراز علی خان کی موت طبعی بھی ہوسکتی ہے' حادثاتی بھی اور وارداتی بھی تو تم نے یہ بات مجھے کیوں نہیں بتائی۔"

"میں نے ضروری نہیں سمجھا۔ میں ایک بیرسٹر ہوں۔ اپنے مؤکلوں کی بات اپنوں سے بھی چھپا کر رکھتی ہوں۔"

"شکریہ' تم نے مجھے اپنوں' کہا۔"

اسی وقت ریسیور رکھنے کی آواز آئی۔ میں نے پھر کریڈل کو کھٹکھٹایا' جواب نہیں ملا۔ میں نے پھر اسے کھٹکھٹایا۔ اس نے دوسری طرف سے ریسیور اٹھا کر جھنجلاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا مذاق بنا رکھا ہے۔ اگر اب تم ایسی باتیں کرو گے تو میں ریسیور کو کریڈل سے الگ کر کے رکھ دوں گی۔ بولو' کیا بات ہے؟"

"میں نے مانا کہ تم اپنے مؤکلوں کی باتیں راز میں رکھتی ہو لیکن وہ اجنبی' گمنام شخص جس نے خط لکھا تھا۔ وہ تمہارا مؤکل نہیں تھا۔"

"وہ تھا یا نہیں' یہ تم سے بہتر میں جانتی ہوں۔ وہ مجھ سے رازداری کی توقع کر رہا تھا اور میں اس کی توقع پر پوری اتر رہی تھی۔"

"لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا' جانتی ہو۔ قاتلوں کو مقتول کے کمرے سے تمام نشانات مٹانے کا موقع مل گیا۔ اگر مجھے بروقت معلوم ہوتا تو جس وقت ان کی لاش رکھی ہوئی تھی' میں وہاں جا کر بہت کچھ معلوم کرسکتا تھا۔"

"میں بھی بیرسٹر ہوں۔ نادان نہیں ہوں۔ تم وہاں جا کر کچھ نہیں معلوم کرسکتے تھے کیونکہ مجھے ان کی موت کے چھ گھنٹے بعد اطلاع ملی تھی۔ جب میں وہاں پہنچی تو رشتے داروں کا ہجوم تھا۔ ان کے کمرے اور باتھ روم میں آنے جانے والے جانے کتنے تھے۔ تمہیں وہاں کسی قسم کا سراغ نہ ملتا۔"

"اچھا چلو' غصہ تھوک دو۔ یہاں آجاؤ۔ ہم سنجیدگی سے اس موضوع پر بات کریں گے۔"

"تمہاری سنجیدگی کا شکریہ! میں یہاں بخیریت ہوں' تمہیں جو کہنا ہے وہیں سے کہو۔"

"چلو یہی بتا دو۔ تمہیں کس پر شبہ ہے؟"

"مجھے تمہاری نیت پر شبہ ہے۔ جب تک جمی یہاں نہیں آئے گا۔ میں اپنے کمرے سے نہیں نکلوں گی۔"

"کمال ہے۔ میں اس شبہ کی نہیں' اس شبہ کی بات پوچھ رہا ہوں۔ سرفراز علی خان کا قاتل کون ہوسکتا ہے؟"

"یہ سمجھنا تمہارا کام ہے۔ کسی قاتل کو بے نقاب کرنا' اس کے خلاف ٹھوس ثبوت فراہم کرنا' ایک سراغ رساں کا کام ہے۔ میں نے تمہاری پرائیویٹ سراغرسانی کے شوق کو اسی لئے بحال رکھا ہے۔"

"دیکھو' میری نظر میں یوں تو تین شخص ہیں۔ بیرسٹر کرامت علی خان' کامل سرفراز اور خان اعظم خان' لیکن میں کسی پہلو کو نظرانداز نہیں کرنا چاہتا اس لئے چوتھا شخص وہ ہے جس نے تمہیں اجنبی گمنام بن کر خط لکھا اور وہ لاکٹ تمہارے پاس بھیجا۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "وہ جو کوئی بھی ہے۔ سرفراز علی خان اور ان کی اولاد کا ہمدرد ہے۔ اس کی پیش گوئی کے مطابق تمام باتیں درست ثابت ہوئیں۔ لہٰذا یہ بھی سوچا جاسکتا ہے کہ قاتل' افسانہ پر قاتلانہ حملہ کرنے والا تھا لیکن اب لاکٹ کی وجہ سے محتاط رہے گا۔"

"بے شک' وہ اجنبی گمنام شخص ہمدرد بھی نظر آتا ہے اور باتدبیر بھی۔ اس کی تدبیر سے افسانہ کسی حد تک محفوظ ہے' لیکن اسے اب ہمارے سامنے آجانا چاہئے۔ سرفراز علی خان اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ ان کی اولاد کو ایک سچے ہمدرد اور سرپرست کی ضرورت ہے۔ وہ اجنبی اور گمنام شخص ان کا سرپرست بن سکتا ہے اوز ہمارے لئے بھی بہت مددگار ثابت ہوسکتا ہے لیکن وہ بالکل چپ ہے' کہیں گم ہے۔ اس کے بعد سے اب تک اس نے تم سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ آخر کیوں؟ وہ کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ میرے ذہن میں بھی ایسے سوالات پیدا ہوسکتے ہیں' لیکن ہم جواب کس سے پوچھیں' واقعی یہ نکتہ سوچنے اور غور کرنے کے لئے ہے کہ اس نے ہم سے براہِ راست رابطہ قائم کیوں نہیں کیا۔ جبکہ وہ دیکھ رہا ہے کہ میں نے اس کی

ہدایت کے مطابق اس کی تمام باتوں کو راز میں رکھا اور اس کی ہدایت کے مطابق اب تک عمل کر رہی ہوں۔ اسے ہمارا اعتماد حاصل کرنا چاہئے تھا۔ ہمارے پاس آنا چاہئے تھا۔"

میں نے کہا۔ "شاید وہ ہمارے سامنے بے نقاب نہیں ہونا چاہتا۔ ہمارے سامنے بے نقاب ہونے سے شاید اس کی ذات کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قاتل وہ خود ہی ہو اور ہمارے ساتھ کوئی بہت بڑا فراڈ کر رہا ہو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قاتل پولیس والوں کی توجہ اپنی طرف سے ہٹانے کے لئے دوسری طرف سے کوئی کھیل کھیلتے ہیں اور پولیس والے اس کھیل میں الجھ جاتے ہیں۔"

"تم اپنی صلاحیتوں کی بات کرو۔ اس گمنام شخص کو کس طرح سامنے لا سکتے ہو؟"

"میں بے چارا کیا صلاحیت رکھتا ہوں۔ اتنی دیر سے تمہیں سامنے نہ لا سکا۔"

"دیکھو' میں فون رکھ دوں گی۔"

"ایسا نہ کرنا۔ میں موٹر سائیکل کی آواز سن رہا ہوں۔ شاید جمی آگیا ہے۔"

میں نے ریسیور کو کریڈل سے الگ رکھا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر آیا۔ جمی' موٹر سائیکل کو اسٹینڈ پر کھڑا کر کے آ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "اندر آجاؤ۔" پھر میں ریسیور کے پاس آیا۔ دوسری طرف لیلیٰ منتظر تھی میں نے کہا۔ "جمی آچکا ہے اب تو آجاؤ۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہ شب خوابی کے لباس میں خواب سی لگ رہی تھی۔ آنکھوں سے سیدھی دل میں اتر رہی تھی۔ میں نے نظر بھر کر دیکھا تو وہ نظریں چرا کر ایک صوفے کے پاس آئی پھر اس پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "جمی! کیا خبر لائے ہو؟"

جمی نے کہا۔ "پہلے میں نے کریم بخش کے پاس پہنچ کر اسے یقین دلایا کہ میرا تعلق انٹیلی جنس والوں سے ہے اور میں سرفراز علی خان کے قتل کے سلسلے میں تفتیش کر رہا ہوں۔ اس سے کچھ سوالات کرنے ہیں وہ مجھے جواب دے۔ تب میں نے باس کے بتائے ہوئے سوالات کئے اور ان سے جو جوابات حاصل ہوئے وہ یہ ہیں۔ آج سے چند ماہ پہلے کریم بخش کی ڈیوٹی سرفراز علی خان کی کوٹھی میں لگائی گئی تھی۔ ان کی گیس لائن کا پائپ کچھ خراب ہو گیا تھا۔ وہ اس کی مرمت کے لئے گیا تو چندا پر عاشق ہو گیا۔ پھر کسی نہ کسی

کام کے بہانے وہ برابر وہاں جانے لگا۔ ایک دن خان اعظم خان نے اسے کوٹھی کے پاس باغ میں چندا کے ساتھ دیکھ لیا۔ اس نے دوسرے دن دفتر میں اسے بلا کر پوچھا کیا بات ہے۔ کیا تم اپنے مالک کی ملازمہ سے محبت کرتے ہو۔ اگر ایسی بات ہے تو شرمانے کی یا چھپانے کی ضرورت نہیں ہے' جنرل منیجر کی طرف سے جب حوصلہ ملا تو کریم بخش نے اعتراف کر لیا۔ تب جنرل منیجر خان اعظم خان نے کہا کہ تم اپنے والدین کو چندا کا رشتہ مانگنے کے لئے بھیجو۔ وہ راضی ہو جائیں گے تو پھر منگنی کی باقاعدہ رسم ادا کرنا لیکن یہ رسم کس دن ہوگی' میں تمہیں بتا دوں گا۔ کیونکہ دھوم دھام سے منگنی کرنے کے لئے تمہیں کچھ رقم کی ضرورت ہوگی' وہ میں تمہارے فنڈ سے دلاؤں گا اور اس کے لئے کاغذات پر صاحب کے دستخط ضروری ہیں۔ اس کے لئے دو چار دن لگیں گے۔"

میں نے یہ باتیں سننے کے بعد کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ خان اعظم خان نے منگنی کی رسم کے لئے وہی دن مقرر کیا تھا۔"

جمی نے کہا۔ "جی ہاں' کریم بخش نے خان اعظم خان سے کہا تھا کہ منگنی اور شادی کے لئے جمعہ مبارک ہوتا ہے لیکن خان اعظم خان نے انکار کیا اور کہا کہ منگنی کرنا ہو تو جمعرات کو کرو۔ جمعہ کو تمہارا اوور ٹائم ہے۔ کارخانے میں حاضر ہونا بہت ضروری ہے۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خان اعظم نے جبراً جمعرات کو منگنی کی رسم ادا کرائی ہے۔ تاکہ اس کوٹھی سے چندا چلی جائے اور میدان صاف ہو جائے۔"

جمی نے اپنی جیکٹ کی زپ کو اوپر سے نیچے کیا پھر اندر ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا کیسٹ ریکارڈر نکالا اور لیلیٰ کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "اس میں کریم بخش کا تمام بیان میں ریکارڈ کر چکا ہوں۔ کیا اسے آپ رکھیں گی؟"

لیلیٰ نے ہاتھ بڑھایا۔ جمی نے اس میں سے کیسٹ نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔ وہ کیسٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ پائیدار ثبوت نہیں' لیکن ثبوت کی ایک اہم کڑی ہے۔ خان اعظم خان آئرن مل کا جنرل منیجر ہے۔ وہ اپنے یہاں کے کام کے پریشر کو ہم سے زیادہ سمجھتا ہے۔ عدالت میں کہہ دے گا کہ جمعہ کو کریم بخش کا اوور ٹائم نہایت ضروری تھا۔ اس لئے اس نے جمعرات کو منگنی کا مشورہ دیا تھا۔ اس مشورے میں اگر کوئی

سازش کی بو سونگھتا ہے تو یہ محض دشمنی ہے۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں' تم درست کہتی ہو۔ ویسے بھی ہم یہ ثابت نہیں کرسکتے کہ قتل کی واردات میں خان اعظم کا ہاتھ رہا ہے۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خان اعظم اپنے مالک کو کیوں قتل کرے گا؟"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کتنی دیر تک جاگتے رہیں گے اور اپنا دماغ کھپاتے رہیں گے۔ شب بخیر!" میں نے چٹکی بجا کر جمی کو چلنے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھ گیا۔ لیلیٰ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں اچانک اٹھ کر وہاں سے چلا جاؤں گا۔ وہ بیرونی دروازے کو بند کرنے کے لئے ہمارے پیچھے آئی۔ اس وقت تک میں جمی کی موٹر سائیکل تک پہنچ گیا تھا۔ جب جمی نے آکر موٹر سائیکل سنبھالی تو میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ دروازے کو بند کر رہی تھی۔ میں ہاتھ اٹھا کر اس کی طرف آواز دیتا ہوا بڑھا۔ "لیلیٰ! ارے ایک بات تو بھول ہی گیا۔" وہ دروازہ بند کرتے کرتے رک گئی۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا پھر آہستگی سے سرگوشی میں کہا۔ "جب سونے کے لئے آنکھ بند کرو گی تو میں ضرور نظر آؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

یہ کہہ کر میں جواب سنے بغیر وہاں سے پلٹ گیا۔ تیزی سے چلتا ہوا موٹر سائیکل کے پاس آیا۔ اس وقت تک وہ اسٹارٹ ہوچکی تھی۔ میں جمی کے پیچھے بیٹھ گیا۔ جب گاڑی آگے بڑھی تو میں نے دیکھا وہ اسی طرح دروازہ کھولے میری طرف دیکھ کر کچھ شرما رہی تھی' کچھ مسکرا رہی تھی۔ بس میں نے اتنا ہی دیکھا موٹر سائیکل تیز رفتاری سے احاطے کے باہر آگئی تھی اور وہ نظروں سے اوجھل۔ اب اس نے دروازہ بند کردیا ہوگا۔ اب وہ آنکھوں میں خواب سمیٹے اپنی خواب گاہ کی طرف جارہی ہوگی۔

☆======☆======☆

میں تھوڑی دیر تک اس کے متعلق سوچتا رہا پھر اپنے ذہن کو موجودہ کیس کی طرف لگا دیا۔ اب تک جو معلومات حاصل ہوچکی تھیں' ان کے مطابق کامل سرفراز میری فہرست سے خارج ہو رہا تھا اور بیرسٹر کرامت علی کچھ زیادہ ہی مشکوک لگ رہا تھا ایسا بھی ہوسکتا تھا کہ بیرسٹر کرامت علی مجرم ہو لیکن جرم کرنے کے لئے اس نے خان اعظم کے ہاتھوں کو کرائے پر حاصل کیا ہو۔

ہم اپنے کاٹیج میں پہنچ گئے۔ وہ کاٹیج ایک بیڈ روم' ایک ڈرائنگ روم' ایک کچن اور ایک باتھ روم پر مشتمل تھا۔ میں اور جمی کبھی ایک ہی کمرے میں سوتے تھے یا کبھی وہ ڈرائنگ روم میں سونے چلا جاتا تھا۔ کاٹیج کی چھت کے نیچے ایک مچان بنی ہوئی تھی کبھی کبھی جمی اس مچان پر رات گزارتا تھا۔

وہ ایک خوبصورت اور صحت مند جوان تھا۔ اس نے بی اے تک تعلیم حاصل کی تھی لیکن بیروزگاری سے تنگ آکر جرائم کی طرف رخ کیا تھا۔ وہ تالے توڑنے میں ماہر تھا۔ اسے چوری' ڈکیتی کے کامیاب منصوبے بنانے اور ایسے وقت جدید آلات استعمال کرنے میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ وہ بلا کا ذہین اور حاضر دماغ تھا۔ پھر ہمیشہ چپ چپ رہتا تھا۔ سمندر کی طرح اوپر سے پرُسکون اور اندر سے گہرا اور طوفانی تھا۔

کسی دوسرے موقع پر تفصیل سے جمی کا ذکر ہوگا۔ اس وقت اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ ڈکیتی کے ایک کیس میں جمی ملوث ہوگیا تھا۔ تقریباً سات سال کی سزا ہونے والی تھی۔ بیرسٹر لیلیٰ محسن نے اسے اس وعدے پر قانون سے بچالیا کہ آئندہ وہ اپنی ان منفی صلاحیتوں کو مثبت انداز میں استعمال کرے گا اور اس کے لئے میرا اور لیلیٰ کا ساتھ دے

گا۔ تب سے وہ ہمارے پاس رہنے لگا تھا۔

میں نے سونے کے لئے لباس تبدیل کیا پھر بستر میں جانے سے پہلے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر سرفراز علی کے گھر کے نمبر ڈائل کئے۔ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ اس وقت رات کے تقریباً دو بج رہے تھے۔ یقیناً سب سو رہے ہوں گے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے بیرسٹر کرامت علی کی آواز سنی۔ "ہیلو' آپ کون ہیں؟"

میں نے آواز بدل کر کسی ولن کے بھیانک انداز میں کہا۔ "میں ہوں' سرفراز علی خان کی وارداتی موت کی پیش گوئی کرنے والا۔ گمنام' نام' نام' نام.........."

دوسری طرف سے چند لمحوں تک خاموشی رہی جیسے وہ سناٹے میں آگیا ہو۔ پھر اس نے جلدی سے کہا۔ "آ.......... آپ کون ہیں' کہاں رہتے ہیں؟ پلیز' میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

میں نے بڑے ہی بھیانک انداز میں قہقہہ لگایا پھر قہقہے کے دوران کہنے لگا۔ "ملاقات ہوگی لیکن وہ لاکٹ کھلنے کے بعد' کتنے نمبر اب تک آزما چکے ہو۔ اگر وہ نہیں کھلتا ہے تو اسے توڑ دو۔ مجھے بس ایک ثبوت چاہئے' صرف ایک ثبوت' اس کے بعد.........." میں نے بات ادھوری چھوڑ دی اور زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔

وہ دوسری طرف سے چیخ رہا تھا۔ پکار رہا تھا' مجھے قسمیں دے رہا تھا' واسطے دے رہا تھا کہ میں اس کی بات سن لوں لیکن میں نے قہقہے لگانے کے بعد ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔ پھر بستر پر آکر آرام سے لیٹ گیا۔ جسے اب میں قاتل سمجھنے لگا تھا اس کے لئے اتنی سی خوراک کافی تھی۔

دوسری صبح میں نے سب سے پہلے سرفراز علی خان کی کوٹھی کے نمبر ڈائل کئے۔ توقع تھی کہ بیرسٹر کرامت علی ریسیور اٹھا کر بولے گا لیکن اس کی بیوی ریحانہ کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو' کون ہے؟"

"میں ابن شہاب بول رہا ہوں۔ آپ لوگوں کی خیریت دریافت کرنا چاہتا ہوں۔"

"مسٹر شہاب! یوں تو خیریت ہے لیکن پریشانی بڑھ گئی ہے۔ پچھلی رات کسی نے انہیں فون کیا تھا۔"

میں نے انجام بن کر پوچھا۔ "انہیں کون؟"

"اوہو' آپ کیسے سراغرساں ہیں۔ اتنا بھی نہیں جانتے کہ بیویاں اپنے شوہروں کو ہی ان کہتی ہیں۔ انہیں کہتی ہیں۔"

"اچھا سمجھا' کس نے فون کیا تھا؟"

"میرے شوہر کہتے ہیں کہ وہی اجنبی گمنام شخص تھا جس نے بیرسٹر لیلیٰ محسن کو وہ خط لکھا تھا اور لاکٹ بھیجا تھا۔"

"کیا اس گمنام شخص نے لاکٹ کے متعلق کچھ بتایا ہے؟"

"نہیں' اس نے میرے شوہر سے کچھ کہا تھا۔ پھر ذرا دیر تک قہقہہ لگانے کے بعد فون کا رابطہ ختم کر دیا تھا۔"

"اس نے قہقہہ لگایا پھر کیا کہا؟"

"یہی بات میرے شوہر اچھی طرح بتا نہیں سکتے ہیں۔ وہ بہت الجھے ہوئے ہیں' بہت پریشان ہیں۔"

"آخر انہیں کس قسم کی پریشانی ہے' کیا وہ گمنام شخص انہیں کسی قسم کی دھمکی دے رہا ہے؟"

"نہیں' وہ کہتے ہیں کہ اس گمنام شخص کے پیچھے کامل چھپا ہوا ہے۔ وہ ایسی سازش میں مصروف ہے جو ابھی سمجھ میں نہیں آرہی ہے لیکن وہ کسی طرح انہیں قانون کی نظروں میں مجرم ثابت کرنا چاہتا ہے۔"

"وہ ایک معروف بیرسٹر ہیں۔ سوسائٹی میں ایک اونچا مقام رکھتے ہیں۔ سب لوگ ان کی عزت کرتے ہیں۔ انہیں کامل جیسے نوجوان سے بالکل خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے۔ وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

"یہی بات تو میں انہیں پچھلی رات سے سمجھاتی رہی ہوں۔ آپ یقین کریں کہ وہ سو نہیں سکے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ جاگتی رہی۔ صبح ساڑھے پانچ بجے بڑی مشکل سے انہیں سلایا ہے۔ روانگی سے پہلے انہیں جگاؤں گی۔ آپ کب آرہے ہیں۔ ہم یہاں سے گیارہ بجے روانہ ہو جائیں گے؟"

"کل آپ لوگوں میں سے کوئی کہہ رہا تھا کہ گیارہ بجے یہاں سے جہاز روانہ ہونا ہے۔"

"نہیں ہم گیارہ بجے یہاں سے جائیں گے۔ وہ لانچ شاید بارہ ایک بجے یہاں سے روانہ ہوتی ہے۔ جزیرے تک بمشکل تین گھنٹے کا سفر ہے۔"

"کیا بندرگاہ پہنچنے کے بعد لانچ کا ٹکٹ لیا جائے گا؟"

"نہیں، میں نے ملازم سے ٹکٹ منگوا لئے ہیں۔ لانچ کا نام ناخدا ہے۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ اسی وقت جمی باہر ہوٹل سے حلوا پوری لے کر آیا۔ میں نے اس کے ساتھ ناشتہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہم لانچ ناخدا سے سفر کریں گے۔ تم ناشتہ کرنے کے بعد یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ اسی لانچ کا ایک ٹکٹ حاصل کر لینا اور مجھ سے دور رہنا۔"

اس نے پوچھا۔ "کیا کرامت علی پر شبہ ہے؟"

"اب شبہ نہیں یقین ہے۔ بس اس کے خلاف ٹھوس ثبوت حاصل کرنے ہوں گے۔ ثبوت کے بغیر ہم اسے بے نقاب کرنے کی کوشش کریں گے تو وہ محتاط ہو جائے گا۔ اور اپنے بچاؤ کے دوسرے راستے نکال لے گا۔"

جمی نے کہا۔ "باس! اس گمنام آدمی نے الجھا دیا ہے۔ اگر اس کی بات درست ہے تو اس لاکٹ کو کسی طرح کھولنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ کرامت علی کے خلاف اس میں کوئی ثبوت موجود ہو۔"

"ہاں، میں سفر کے دوران دیکھوں گا کہ اس لاکٹ کے اندر کس طرح جھانک سکتا ہوں۔" میں نے ریسیور اٹھا کر لیلیٰ سے رابطہ قائم کیا۔ وہ بھی ناشتے سے فارغ ہو گئی تھی اور ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر چائے پی رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "ابھی میں گیارہ بجے مقتول سرفراز علی کے خاندان والوں کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ کیا تمہارے پاس آؤں؟"

وہ ذرا دیر خاموش رہی پھر بولی۔ "مجھے اعتراض نہیں ہے لیکن اس وقت میں ایک ضروری فائل کا مطالعہ کر رہی ہوں۔ عدالت میں اسے پیش کرنے سے پہلے اس کے ایک

ایک پہلو پر بہت ہی یکسوئی سے غور کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گا۔ واپسی میں تم سے ملاقات ہوگی۔ میں جاؤں؟"

وہ پھر ذرا دیر چپ رہی۔ اس کے بعد آہستگی سے بولی۔ "بس اب جاؤ، پلیز!"

میں بڑے پیار سے رخصت ہو گیا۔ ریسیور کو کریڈل پر رکھ کر میں نے اپنا ایک سفری بیگ لیا۔ اس بیگ کے ایک خانے میں چاقو، قینچی، پیچ کس، زنبور، پانا جیسے اوزار رکھے ہوئے تھے۔ دوسرے خانے میں پنسل ٹارچ، کیمرہ اور نیگیٹو رول رکھے ہوئے تھے۔ درمیانی خانے میں ایک جوڑا لباس اور ایک دوربین رکھی ہوئی تھی۔ میں نے اپنی قمیض اتار کر بغلی ہولسٹر میں ایک ریوالور رکھا۔ چند کارتوس سفری بیگ میں رکھ لئے۔ پھر قمیض پہن کر پوری طرح تیار ہو کے موٹر سائیکل پر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

دس بجے سے کچھ پہلے میں مقتول سرفراز علی خان کی کوٹھی میں پہنچا تو ڈرائنگ روم میں افسانہ نظر آئی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی خوشی کا اظہار کیا پھر کہا۔ "ابھی آپا اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے سو گئی ہیں۔ بے چاری رات بھر جاگتی رہی ہیں۔"

"ابھی میں نے ایک گھنٹہ پہلے آپ کی آپا سے فون پر گفتگو کی تھی۔ انہوں نے بتایا ہے کہ کسی گمنام شخص نے آپ کے بہنوئی کو پچھلی رات فون کیا تھا اور بولنے اور قہقہہ لگانے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ آپ کے بہنوئی کو مجرم ثابت کرنے کی کوشش میں ہو۔"

افسانہ نے حیرانی سے یہ باتیں سنیں، پھر کہا۔ "مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ آپا نے بھی نہیں بتایا۔ میں کل تقریباً دو بجے رات کو سو گئی تھی۔"

"اچھا تو آپ دو بجے تک جاگتی رہیں؟"

"ہاں، اس لاکٹ نے مجھے بڑا پریشان کر رکھا ہے۔ مجھے ہی نہیں بلکہ سارے گھر والوں کو۔"

"یقیناً سب یہ معلوم کرنا چاہتے ہوں گے کہ اس کے اندر کیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اس لاکٹ کی طرف دیکھا۔ وہ سانس لے رہا تھا۔ کبھی ابھر رہا تھا کبھی ڈوب رہا تھا۔

افسانہ کو فوراً ہی اپنے بھائی کی دھمکی یاد آگئی۔ اس نے دوپٹے کو درست کرلیا' پھر کہا۔ "آپ درست کہتے ہیں۔ یہ ایک فطری بات ہے کوئی چیز اپنے پاس ہی چھپی ہوتو تجسس کی انتہا کیا ہوتی ہے' یہ ہم سب سمجھ رہے ہیں۔ کل سے کرامت بھائی نے کئی بار کوشش کرلی' مجھے مختلف نمبر بتاتے رہے کہ میں وہ نمبر آزما کر اسے کھولوں۔ میں نے ان کے بتائے ہوئے تمام نمبر آزما لئے۔ پھر آپا نے بھی کئی نمبر بتائے' اس کے بعد کامل بھائی میرے پاس تقریباً آدھے گھنٹے تک رہے۔ انہوں نے بھی یہی کیا اور میں ان کے کہنے کے مطابق مختلف نمبروں کو آزماتی رہی لیکن یہ کھلتا ہی نہیں ہے۔"

میں سنجیدگی سے نمبروں کے متعلق سوچنے لگا۔ پھر میرے دماغ میں کوئی چیز چبھنے لگی۔ افسانہ کی مسکراہٹ نگاہوں کے سامنے تھی۔ وہ مسکراہٹ جو اس کی تصویر میں تھی۔ میرے سامنے والی افسانہ تو سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ میں جیسے سمجھتے ہوئے بھی نہیں سمجھ پارہا تھا کہ وہ تصویر بار بار مجھے کیوں یاد آتی ہے اور مجھے کیا اشارہ کرتی ہے۔۔۔

میں لاکٹ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اس لئے یہ فطری بات ہے کہ جس کے متعلق سوچا جاتا ہے اسی کے اوپر نظر جاتی ہے۔ میری نظر اس لاکٹ پر گئی تو وہ صوفے پر پہلو بدلنے لگی۔ میں نے کہا۔ "بڑی مشکل ہے۔ آپ نے لاکٹ پہن رکھا ہے۔ جو بھی لاکٹ کے متعلق سوچے گا اس کی نظر بھی لاکٹ پر جائے گی اور لاکٹ پر جانے کا مطلب یہ ہے کہ نظر آپ پر بھی جائے گی۔"

وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی پھر پلٹ کر جاتے ہوئے بولی۔ "میں ملازمہ کو چائے کے لئے بولتی ہوں۔"

☆======☆======☆

لانچ سمندر کی سطح پر سبک خرامی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ سفر کے آغاز میں ہی میں نے مسافروں کو چیک کیا تھا۔ تقریباً پینتیس مسافر تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرانی نہیں ہوئی کہ ہمارے ساتھ خان اعظم خان بھی جزیرے میں جارہا تھا میں نے پوچھا بھی تھا کہ آپ آئرن مل کی مصروفیات چھوڑ کر تفریح کے لئے کیوں جانا چاہتے ہیں؟

اس نے جواب دیا۔ "آئرن مل کے سلسلے میں ہی یہ سفر کررہا ہوں۔ بہت سی آمدنی

اور اخراجات کے حساب ادھورے رہ گئے ہیں۔ یہ کرامت علی صاحب کی موجودگی میں ہی پورے ہوسکتے ہیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ وہ بیرسٹر ہیں۔ قانونی نقطہ نظر سے ایسے ایسے نکتے سمجھاتے ہیں کہ ان پر عمل کرنے کے بعد انکم ٹیکس والے ہمارا منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔"

اس نے اپنی طرف سے وضاحت پیش کی لیکن میں مطمئن ہونے والا نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ خان اعظم ہمارے پیچھے آئے گا یا کسی بہانے سے جزیرے تک پہنچے گا۔ یہ اس کی دیدہ دلیری تھی کہ ہمارے ساتھ ہی سفر کررہا تھا۔

لانچ کے فرسٹ کلاس میں دو کیبن ریزرو کروائے گئے تھے۔ ایک ریحانہ اور افسانہ کے لئے۔ دوسرا کرامت علی اور خان اعظم کے لئے۔ سفر شروع ہوتے ہی وہ دونوں یہ کہہ کر کیبن کے اندر چلے گئے تھے اور دروازے کو بند کرلیا تھا کہ وہ آئرن مل کے حساب کتاب میں مصروف رہیں گے۔ میں ان کی مصروفیت کو خوب سمجھ رہا تھا۔ میں نے لانچ کے نچلے حصے میں مسافروں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی پھر اوپر عرشے پر آگیا۔ ان مسافروں میں مجھے جمی نظر آگیا تھا۔ مگر ہم ایک دوسرے سے انجان بنے رہے۔ عرشے پر ریلنگ کے ساتھ لگا' میں سمندر کو دور تک دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت کامل میرے پاس آگیا۔

اس نے کہا۔ "مسٹر شہاب! اگر کسی گمنام آدمی نے یہ لاکٹ میری بہن کو اس مقصد کے لئے پہنایا ہے کہ مجرم نفسیاتی طور پر پریشان ہوگا تو اس کا یہ خیال غلط نکلا کیونکہ ہم سارے ہی رشتہ دار پریشان ہیں خود افسانہ اسے بوجھ سمجھ رہی ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "تو پھر کیا کیا جاسکتا ہے؟"

"میں افسانہ کی گردن سے یہ طوق اتار کر پھینک دینا چاہتا ہوں۔ کیا فائدہ ہے؟"

"کیا آپ اسے سمندر میں پھینکنا چاہتے ہیں؟"

کامل نے مجھے گہری' ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "آپ میری باتوں کو مذاق میں لے رہے ہیں۔ دیکھئے' آپ ہماری پریشانیوں کو سمجھیں' آپ اپنے دل سے کہیں' کیا آپ کے دل میں تجسس نہیں ہے کہ اس لاکٹ کے اندر کیا ہے؟"

"یقیناً میں بھی تجسس میں مبتلا ہوں۔"

"تو پھر ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ جب ہم جزیرے میں پہنچیں اور اس بات کا یقین ہوجائے کہ قاتل ہمارے آس پاس نہیں ہے تو ہم اس لاکٹ کو توڑ دیں اور دیکھیں کہ اس کے اندر کیا ہے؟"

"میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا کیونکہ بیرسٹر لیلیٰ محسن نے اپنی ذمہ داری پر اسے افسانہ کو پہنایا ہے۔ لیلیٰ محسن سے مشورے کے بعد ہی اسے افسانہ سے الگ کیا جاسکتا ہے۔"

وہ مختلف باتوں سے' مختلف طریقوں سے مجھے قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ اس لاکٹ کو کسی طرح کھولنا چاہئے۔ میں نے فیصلہ کن جواب دیا کہ اگر ایسا ہی کرنا تھا تو میری بجائے لیلیٰ محسن کو اپنے ساتھ یہاں لانا چاہئے تھا۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ جزیرے میں پہنچ کر لیلیٰ سے رابطہ قائم کیا جائے اور اس سے اجازت لی جائے۔

وہ قائل ہو کر بولا۔ "ہاں ایسا کیا جاسکتا ہے میں جزیرے میں پہنچ کر لیلیٰ صاحبہ سے رابطہ قائم کروں گا۔"

وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے تقریباً دس منٹ بعد ہی مجھے کرامت علی نظر آیا۔ وہ مجھے تلاش کرتا ہوا عرشے تک پہنچا تھا۔ اس نے دور سے دیکھتے ہی کہا۔ "بھئی آپ یہاں ہیں اور میں آپ کو نیچے تلاش کر رہا ہوں۔" پھر اس نے میرے قریب آکر پوچھا۔ "کیا یہاں کوئی مشکوک آدمی نظر آیا؟"

"ابھی تک تو کوئی نظر نہیں آیا۔ میں بہت دیر تک مسافروں کے درمیان گھومتا رہا۔ آپ اطمینان رکھیں مجرم یقیناً اضطراب میں مبتلا ہے' اس سے یقیناً کوئی اضطراری حرکت سرزد ہوگی۔"

"کوئی ضروری تو نہیں ہے کہ وہ مجرم ہماری طرح کمزور اعصاب کا آدمی ہو۔"

میں نے اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجرم بڑے مضبوط اعصاب کے ہوتے ہیں لیکن ان کی کمزوری کسی کی مٹھی میں آجائے تو پھر وہ چین سے نہیں رہتے۔ کسی نہ کسی طرح اپنی اس کمزوری کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لئے وہ مجرم بھی ضرور کوشش کرے گا۔"

اس نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ نے اس مسئلے کے ایک اہم پہلو پر غور نہیں کیا ہے۔"

"میں غور کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میری رہنمائی کریں۔"

"میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔ اگر اس لاکٹ میں کوئی ایسی چیز ہے جس کے ذریعے مجرم قانون کی نظروں میں آسکتا ہے تو پھر کیوں نہ ہم اس لاکٹ کو خود ہی کھول کر قانون کی مدد کریں اور جو بھی چیز اس میں سے برآمد ہو' اسے ہم قانون کے حوالے کر دیں۔"

"بہت خوب' بیرسٹر صاحب! آپ یہ تو سوچیں کہ لیلیٰ محسن بھی بیرسٹر ہے اور بہت ہی ذہین بیرسٹر ہے۔ کیا اس کے دماغ میں آپ کا یہ نکتہ نہیں آیا ہوگا؟ کیا وہ اس لاکٹ کو کسی طرح کھول کر یا توڑ کر اس میں سے کوئی چیز نکال کر قانون کے حوالے نہیں کر سکتی تھی۔ کیا وہ بحیثیت بیرسٹر قانون کا ہاتھ مضبوط نہیں کرتی ہے؟"

"تو پھر آپ ہی بتائیں' لیلیٰ صاحبہ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"اس لئے کہ اگر اس لاکٹ میں سے کوئی ایسی چیز برآمد ہو جس سے سرفراز علی خان کے قاتل کا کوئی سراغ نہ ملے صرف اس متوقع قاتل کا سراغ ملے جو افسانہ کو آئندہ قتل کرنا چاہتا ہو۔"

بیرسٹر کرامت علی خان نے کہا۔ "پھر تو یہ اچھی بات ہے۔ ہم اس متوقع قاتل تک لاکٹ کی اس چیز کے ذریعے پہنچ جائیں گے۔"

میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "پھر اس قاتل کے پاس پہنچ کر آپ کیا کریں گے؟ کیا آپ اسے سزا دلا سکیں گے؟ کیا آپ کی یہ بات عدالت میں مانی جائے گی کہ وہ شخص افسانہ کو قتل کرنے والا تھا؟"

اس نے قائل ہو کر کہا۔ "ہاں' یہ نکتہ واضح ہوگیا کہ نہ تو عدالت تسلیم کرے گی اور نہ ہی قاتل پھر ہماری گرفت میں آئے گا۔ وہ تو محتاط ہوجائے گا اور پھر افسانہ کو ہلاک کرنے کے لئے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا۔"

میں نے کہا۔ "ایک بات اور ہے۔ وہ یہ کہ اس لاکٹ میں کوئی ایسی چیز ہے جسے وہ

متوقع قاتل اچھی طرح سمجھ رہا ہے۔ وہ چیز ہمارے لئے نہیں' اس قاتل کے لئے اتنی اہم ہے کہ ہم سے پہلے وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا' افسانہ کو ہلاک کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جس گمنام شخص نے بھی یہ چال چلی ہے اس کا مقصد یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قاتل کے ہاتھوں سے اس وقت تک محفوظ رہے جب تک کہ وہ قاتل لاکٹ تک نہ پہنچے۔ پہلے وہ لاکٹ کو حاصل کرے گا پھر اس کے اندر چھپی ہوئی چیز کو دیکھ کر کسی خاص فیصلے تک پہنچے گا کہ اس چیز کے پیش نظر افسانہ کو قتل کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ قتل کرنے سے وہ کس طرح قانون کی گرفت میں آسکتا ہے۔ وہ پہلے اپنے متعلق تمام احتیاطی تدابیر کرے گا پھر کہیں افسانہ کے قتل کی باری آئے گی۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس گمنام شخص نے افسانہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور ہم پر بھی کہ ہم اس وقت تک افسانہ کی طرف سے مطمئن ہیں۔"

میری باتوں کے دوران بیرسٹر کرامت علی ریلنگ کے آہنی پائپ کو مٹھی میں بھینچ رہا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اسے توڑنا' مروڑنا چاہتا ہو۔ یہ اضطراری کیفیت کا اظہار تھا جو وہ انجانے میں کر رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "میں آپ کی بات مانتا ہوں۔ واقعی اس گمنام شخص نے بڑی اچھی چال چلی ہے لیکن میرا سکون برباد ہوگیا ہے۔ میں مجرم تو نہیں ہوں لیکن اعصابی مریض ہوں کسی تجسس کو برداشت نہیں کرسکتا۔ میرے سامنے کوئی چیز چھپی ہو تو میں اسے دیکھنے کے لئے بہت بے چین ہوجاتا ہوں۔"

"میں آپ کی بے چینی کو سمجھ رہا ہوں۔ اسی لئے پچھلی رات آپ نے ریحانہ صاحبہ نے اور کامل صاحب نے بھرپور کوشش کی کہ کسی بھی مخصوص نمبر کی ترتیب سے وہ لاکٹ کھل جائے لیکن وہ نہیں کھل سکا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ ایک بار میں بھی کوشش کرکے دیکھ لوں۔ وہ لاکٹ کھل جائے گا تو ہم چپ چاپ دیکھیں گے کہ اس کے اندر کون سی چیز رکھی ہے۔ اس کے بعد پھر اسے اسی طرح بند کردیں گے اور کسی مجرم کا انتظار کریں گے۔"

اس نے مایوسی سے کہا۔ "ٹھیک ہے آپ بھی کوشش کرکے دیکھ لیں۔ مجھے تو امید نہیں ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ ہم جزیرے میں پہنچنے کے بعد کم از کم چوبیس گھنٹے تک

کسی مجرم کا انتظار کریں۔ اگر وہ آس پاس نظر نہ آئے یا افسانہ کے قریب نہ پہنچے' اس سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ ہو تو دوسرے دن ہم سب مل کر بیٹھیں گے اور اس لاکٹ کو توڑ کر اس کے اندر کی چیز نکالیں گے۔"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "میں اپنی موجودگی میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ اس لئے کہ لیلیٰ محسن نے یہ ذمہ داری مجھ پر عائد کی ہے۔ اس لاکٹ کو صحیح سلامت رہنا چاہئے۔ میں آپ کی بے چینی اور پریشانی دیکھ کر اس حد تک راضی ہوگیا ہوں کہ اسے چپ چاپ کھول کر پھر بند کردیا جائے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "اچھی بات ہے۔ میں ابھی افسانہ سے جاکر کہتا ہوں کہ وہ آپ کو بھی لاکٹ کھولنے کے سلسلے میں اجازت دے۔ آپ جتنے نمبر چاہیں آزما سکتے ہیں۔ شاید آپ کامیاب ہوجائیں۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ میں نے آس پاس دیکھا۔ دور دور تک ریلنگ کے پاس بہت سے مرد' عورتیں اور بچے بھی کھڑے ہوئے تھے۔ وہیں ایک جگہ جمی نظر آیا۔ میں ٹہلنے کے انداز میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب جاکر کھڑا ہوگیا۔ پھر میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب جاکر کھڑا ہوگیا۔ پھر میں نے کہا۔ "تم بڑے بڑے مخصوص نمبروں کے تالے بھی کھول لیتے ہو۔ اس لاکٹ کو کسی طرح کھول سکو گے؟"

اس نے جواب دیا۔ "میں لاکٹ کو دیکھنے کے بعد بتا سکتا ہوں بائی دی وے' یہ سوال آپ وہاں شہر میں بھی کرسکتے تھے۔ وہیں ہم اس لاکٹ کو کسی طرح کھول لیتے؟"

"نہیں' میں ایسی جگہ کی تلاش میں تھا' یا تو کوئی جزیرہ ہو جہاں مجرم فرار نہ ہوسکیں یا سمندر ہو تاکہ جب بھی لاکٹ کی کوئی چیز ہمارے ہاتھ آئے تو وہ ہمارے پیچھے لگیں اور یہاں مسافروں کی اتنی کم تعداد میں ہم ان کے چہرے آسانی سے دیکھ سکیں۔"

جمی نے کہا۔ "باس اگر مجرم ایک سے زیادہ ہیں تو وہ اپنی جان کی بازی لگا دیں گے۔ ہمیں یہاں سے نکلنے نہیں دیں گے۔ قانون کے دروازے تک پہنچنے کا موقع نہیں دیں گے۔"

"میں سب کچھ سوچ چکا ہوں۔ فرض کرو کہ اس لاکٹ سے کوئی چیز ہاتھ لگتی ہے تو

اسے کیسے چھپایا جائے گا؟" جمی نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "یہاں جہاز کے اسٹور روم میں جاؤ۔ وہاں تمہیں ربڑ کے سیفٹی بوٹ نظر آئیں گے۔ ہنگامی حالات میں یا آندھی طوفان میں وہ ربڑ کی کشتیاں استعمال ہوتی ہیں۔ ان کشتیوں کی ساخت ایسی ہے کہ بیچ میں ایک ہموار سطح ہے اور اس کے چاروں طرف ربڑ کے موٹے ٹیوب ہیں۔ اس ٹیوب میں کمپریشر کے ذریعے ہوا بھر دی جاتی ہے تو وہ کشتی پانی میں تیرنے لگتی ہے۔ جس جگہ سے ہوا بھری جاتی ہے وہاں لوہے کی پتریاں چڑھی ہوئی ہیں اور ان کے ساتھ ایک بڑے سائز کا بولٹ ہے جس کے سوراخ سے ہوا گزاری جاتی ہے تم لاکٹ کی چیز کو اسی سوراخ سے گزار کر اس ٹیوب میں پہنچا سکتے ہو۔ اس کے بعد لانچ کے کسی ملازم کو رشوت دے کر دوبارہ کمپریشر کے ذریعے ہوا بھر دو گے۔ وہ چیز محفوظ ہو جائے گی۔ رہ گئے مجرم تو اس وقت ہماری نظروں میں تین ہیں۔ خان اعظم خان، بیرسٹر کرامت علی اور کامل سرفراز۔ تینوں میں سے خان اعظم خان بہت قد آور اور شہ زور لگتا ہے۔ اس سے تم نمٹ لو گے۔ میں ان سالے بہنوئی سے یعنی کامل اور کرامت سے نمٹ لوں گا۔"

"آپ خان اعظم کی فکر نہ کریں۔"

"میرا منصوبہ یہ ہے کہ اگر ہمیں یہاں سے فرار ہونا پڑے تو ہم ان تینوں کو ساتھ لے کر یہاں سے جائیں تاکہ یہاں افسانہ اور ریحانہ پر کوئی آنچ نہ آئے۔ اگر ہم لاکٹ کی چیز لے کر جاتے ہیں تو مجرم انہیں یہاں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ میری بات سمجھ رہے ہو؟"

"جی ہاں، اچھی طرح سمجھ گیا۔ ہم کسی موقع پر لانچ کو چھوڑیں گے تو ان تینوں کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ آپ اتنا بتا دیں۔ کیا آپ مطمئن ہیں کہ جو چیز لاکٹ سے حاصل ہوگی وہ بوٹ کے اس ربڑ ٹیوب کے اندر سوراخ سے چلی جائے گی۔"

"ہاں میں نے لاکٹ کو اچھی طرح دیکھا ہے۔ لاکٹ کی لمبائی سوا انچ ہے اس کی چوڑائی تقریباً آدھ انچ ہے۔ اس کے اندر جو چیز ہوگی، اس سے بھی کم چوڑائی والی ہوگی اور اس کی لمبائی زیادہ سے زیادہ دو انچ ہوگی لہٰذا وہ چیز ربڑ ٹیوب کے اس بولٹ کے سوراخ سے گزر جائے گی جس کے ذریعے ہوا اندر بھری جاتی ہے۔ اب میرے پیچھے آؤ

اور اجنبی بن کر قریب ہی رہو۔"

میں وہاں سے چلتا ہوا زینے سے اتر کر فرسٹ کلاس میں آیا وہاں کیبن کے باہر ہی افسانہ ایک ایزی چیئر پر آرام سے بیٹھی ہوئی سمندر کی لہروں کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ دھوپ تیز تھی۔ اس لئے اس نے سیاہ چشمہ پہن رکھا تھا۔ وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے چشمے کو آنکھوں پر سے اٹھا کر اپنے سر پر پیشانی کے قریب رکھ لیا۔ پھر کہا۔ "کرامت علی کہہ رہے تھے کہ آپ لاکٹ کے نمبر کو آزمانا چاہتے ہیں۔ سچ پوچھئے تو میں بیزار ہوگئی ہوں۔ اسی لئے آپ کے پاس نہیں آئی۔ کیا فائدہ ہے؟ ساری کوششیں بے کار ہوں گی۔"

میں اس کے پاس ہی دوسری ایزی چیئر پر بیٹھ گیا۔ جمی ہم سے ذرا فاصلے پر ایک ریلنگ کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوگیا۔ میں نے پوچھا۔ "اور لوگ کہاں ہیں؟"

"آپا کیبن میں آرام کر رہی ہیں۔ کرامت بھائی اور خان اعظم دوسرے کیبن میں حساب کتاب میں مصروف ہیں اور کامل بھائی جان یہیں کہیں ہوں گے۔"

"ایک بات صاف طور سے بتاؤ تمہیں کس پر شبہ ہوتا ہے؟"

"میں خود حیران ہوں کہ کس پر شبہ کروں۔ سب میرے اپنے ہیں۔ اگرچہ آپ میرے اپنے نہیں ہیں لیکن میں آپ پر بھی شبہ کیسے کر سکتی ہوں۔"

"دیکھئے، اپنے حالات کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ لوگوں کے کردار کو جانچا، پرکھا جاتا ہے اور کسی کسوٹی پر رکھ کر یہ سوچا جاتا ہے کہ کون بالکل اپنا ہے اور صدق دل سے چاہتا ہے اور کون چاہت کے پیچھے دشمنی کر سکتا ہے۔"

"معاف کیجئے مسٹر شاب! کم از کم میں اپنے بھائی جان اور اپنے بہنوئی کے متعلق تو یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی کہ ان کی چاہت کے پیچھے میرے لئے کوئی دشمنی ہو سکتی ہے۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "پھر تو آپ کا خدا ہی حافظ ہے۔ چلئے ہم دشمنوں کی بات نہیں کریں گے۔ دوستوں کی باتیں کریں۔ اس اجنبی، گمنام شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

وہ دور سمندر کی لہروں کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ”وہ گمنام ہستی میرے لئے قابلِ احترام ہے۔ میں سوچتی ہوں‘ کون مجھ پر اتنا مہربان ہے؟ اگرچہ اس لاکٹ کی وجہ سے میرے آس پاس سبھی لوگ پریشان ہیں۔ میں خود اسے بوجھ سمجھ رہی ہوں لیکن اس سے ایک اطمینان ہے کہ کوئی قاتل میرے قریب نہیں آئے گا۔ کسی نے میری ایسی حفاظت پہلے کبھی نہیں کی۔ پہلے میری جان کا خطرہ بھی نہیں تھا۔ ہاں ایک ابو تھے جو سمجھاتے تھے‘ بیٹی! آہستہ کار ڈرائیو کیا کرو۔ دائیں بائیں دیکھنے کے بعد زیبرا کراسنگ سے سڑک پار کیا کرو‘ وہ مجھے ایک ننھی بچی سمجھ کر اپنی زندگی کی حفاظت کرنا سکھاتے تھے۔ آج وہ نہیں ہیں۔ ان کے بعد ایک دوسری گمنام ہستی ہے جو کسی نہ کسی طرح میری حفاظت کر رہی ہے۔ ایک بات کہوں گی تو آپ شاید ہنسیں گے۔“

”نہیں‘ میں سنجیدہ گفتگو کے دوران ہنسنے سے پرہیز کرتا ہوں۔ آپ کہیں۔“

”مجھے کبھی کبھی ایسا لگتا ہے جیسے ابو زندہ ہیں اور میرے پیچھے ہیں۔ میرے سر پر ان کے ہاتھ کا سایہ ہے اور انہوں نے ہی میرے لئے یہ سارے حفاظتی انتظامات کئے ہیں۔“

اس کی بات تھی یا کوئی تیر تھا۔ سیدھا سنسناتا ہوا آیا اور میرے دماغ میں پیوست ہوگیا۔ میں نے فوراً ہی ایک سوال داغ دیا۔ ”آپ کے ابو کے کمرے میں جو البم ہے‘ اس میں آپ دونوں بہنوں کی تصویروں کے پیچھے کس نے تاریخ پیدائش لکھی ہے؟“

اس نے جواب دیا۔ ”ایسا میرے ابو لکھتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا تو عجیب سا لگا ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ ابو نے ہمیں اپنی زندگی میں بہت کچھ دیا ہے لیکن آپا کی سالگرہ کے دن وہ انہیں خاص طور سے اکیس ہزار دو سو پچیس روپے کا چیک دیتے ہیں۔ اس رقم کو تاریخ‘ مہینے اور سن کے حساب سے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے تو دو تاریخ بارہواں مہینہ‘ انیس سو پچپن سمجھ میں آئے گا اور یہ آپا کی تاریخ پیدائش ہے۔ اسی طرح میری تاریخ پیدائش ۹۔جون ۱۹۶۵ء ہے۔ ابو ہر سال میری سالگرہ کے دن مجھے نو ہزار چھ سو پینسٹھ روپے کا چیک دیا کرتے تھے۔“

اس کی باتیں سن کر میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ ایک تو اس کا کہنا کہ اپنے باپ کی موت کے بعد وہ اس گمنام ہستی کو جیسے تصور میں اپنے والد کی جگہ دیکھتی

ہے جو اس کی زندگی کی حفاظت کر رہا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ مقتول سرفراز علی خان نے اپنی زندگی میں ہی وہ خط خود لکھا ہو اور وہ لاکٹ بھی انہوں نے لیلیٰ کے پاس بھیجا ہو۔ جب لیلیٰ کو وہ خط اور لاکٹ ملا تھا تو اس وقت مقتول سرفراز علی خان زندہ تھے اور ایسا ہو سکتا تھا کہ انہوں نے ہی یہ سب کچھ کیا ہو۔

اگر حقیقتاً ایسا ہی ہے تو پھر وہ شخص جو ہر سال مخصوص نمبروں کی ترتیب سے مخصوص رقم کا چیک اپنی دونوں بیٹیوں کو دیتا ہے‘ اس نے افسانہ کی تاریخ پیدائش کی مناسبت سے اس لاکٹ کے نمبروں کی بھی وہی ترتیب رکھی ہوگی۔

میں نے پوچھا۔ ”مس افسانہ! اگر میرے بتائے ہوئے نمبروں سے یہ لاکٹ کھل جائے اور اس میں سے کوئی چیز برآمد ہو تو کیا آپ اس چیز کو راز میں رکھیں گی یعنی اپنی آپو کو‘ اپنے بہنوئی کو اور اپنے بھائی جان کو بھی نہیں بتائیں گی؟“

وہ بولی۔ ”واہ‘ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اتنی بڑی دنیا میں یہی تو میرے اپنے ہیں۔ میں نے ان سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی۔“

میں نے ریلنگ کے پاس کھڑے ہوئے جمی کو دیکھا۔ وہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے آنکھ ماری پھر اپنی قمیض کے اوپری بٹن کو کھولتے ہوئے کہا۔ ”اچھی بات ہے۔ میں جو نمبر بتا رہا ہوں۔ اس کی ترتیب آزماؤ۔ شاید کھل جائے۔“ یہ کہہ کر میں نے کہا۔ ”نو ہزار چھ سو پینسٹھ نمبر ترتیب دے لیں۔“

میں نے نمبر بتائے تو وہ چونک کر بولی۔ ”یہ تو میری تاریخ پیدائش ہے۔“

”ہاں‘ اس کو آزمانے میں کیا ہرج ہے؟“

اس نے فوراً ہی آزمایا تو اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی۔ لاکٹ کا اوپری حصہ ایک جھٹکے سے کھل گیا تھا۔ اندر ایک چابی نظر آئی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے غور سے دیکھتی میں نے اس کے لاکٹ پر جھپٹا مارا‘ چابی لی اور وہاں سے پیچھے ہٹ کر بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال کر کہا۔ ”خبردار! ذرا سی بھی حرکت نہ کرنا‘ کوئی آواز نہ نکالنا۔ ورنہ میں گولی مار دوں گا۔“

وہ ایک دم سے دہشت زدہ ہوکر‘ دیدے پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی۔ اسے توقع

نہیں تھی کہ میں ہی اس کا قاتل ہو سکتا ہوں۔ میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے اپنا چابی والا ہاتھ اپنی پشت پر رکھا تھا۔ ریوالور' افسانہ کے سامنے تھا۔ جب میں پیچھے ہٹتے ہوئے جمی کے قریب پہنچا تو اس نے چابی لے لی۔ میں نے اپنا وہ خالی ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈالا تاکہ افسانہ کی سمجھ میں یہی بات آئے کہ میں چابی کو اپنی جیب میں رکھ چکا ہوں۔ وہ جمی کی طرف دھیان نہیں دے سکتی تھی۔ کیونکہ ریوالور موت کی طرح سامنے نظر آرہا تھا۔ میں نے جب دیکھا کہ جمی جاچکا ہے تو میں نے آگے بڑھ کر افسانہ کی کلائی پکڑی پھر ایک جھٹکے سے اپنی طرف کھینچ کر کہا۔ "اب اپنی مدد کے لئے کسی کو بلا سکتی ہو۔" میں نے اس کی کنپٹی پر ریوالور کی نال رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن یاد رکھو۔ اپنے کسی بھی رشتہ دار کو یہ نہیں بتاؤ گی کہ لاکٹ سے کیا برآمد ہوا ہے۔ بس یہی کہنا ہے کہ اس میں جو بھی چیز تھی وہ میں نے جھپٹ کر لی اور تم اسے دیکھ نہ سکیں۔ چلو اب چیخنا شروع کردو۔"

وہ منہ کھول کر آواز نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر ریوالور سے یا اپنی موت سے ایسی دہشت زدہ تھی کہ حلق سے چیخ کی صورت میں آواز نہیں نکل رہی تھی۔ صرف گھٹی گھٹی سی آواز آرہی تھی۔ اسی وقت سامنے والی کیبن کا دروازہ کھلا۔ بیرسٹر کرامت علی خان باہر آرہا تھا۔ اس کے پیچھے خان اعظم خان تھا۔ دونوں نے ہماری طرف دیکھا تو ایک دم سے ٹھٹک گئے۔ میں نے کہا۔ "اگر اس کی زندگی چاہتے ہو تو میرے قریب نہ آنا۔"

خان اعظم نے غصے سے پوچھا۔ "یہ کیا حرکت ہے۔ افسانہ بی بی کو چھوڑ دو۔ ورنہ میں خطرے کی پروا نہیں کروں گے۔" ایسا کہنے کے دوران اس نے بڑی پھرتی سے جیب میں ہاتھ ڈالا پھر جیسے ہی ہاتھ باہر نکلا میں نے فائر کر دیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ میرے ریوالور کی گولی اس کے بازو کو چھید کر گزر گئی تھی۔ اس کے ہاتھ کا ریوالور نیچے گر پڑا تھا۔

میں نے ریوالور کا رخ کرامت علی کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "مسٹر کرامت علی تم نے اپنے ساتھی کا حشر دیکھ لیا ہے۔ اگر تم بھی یہ سوچ کر بڑھو گے کہ افسانہ اسی بہانے جان سے چلی جائے تو میں اسے نہیں ماروں گا کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری مجھ پر

ہے۔ تم ایک قدم بھی آگے بڑھ کر دیکھو۔ گولی تمہارے سینے کے پار ہوگی۔"

اس دوران کتنے ہی لوگ دوڑتے ہوئے آرہے تھے کیونکہ فائر کی آواز سب نے سنی تھی۔ دوسرے کیبن کا دروازہ کھول کر ریحانہ بھی باہر آگئی تھی اور دہشت زدہ ہو کر تماشا دیکھ رہی تھی۔ پھر مجھے کامل کی آواز سنائی دی۔ "مسٹر شہاب! میں پہلی اور آخری وارننگ دیتا ہوں' میری بہن کو چھوڑ دو' ورنہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

میں نے افسانہ کو چھوڑتے ہوئے کہا۔ "لو' میں تمہاری بہن کا محافظ ہوں۔ دیکھ لو' میں نے تمہارے دشمن کو اپنے نشانے پر رکھا ہے۔"

افسانہ میری گرفت سے نکلتے ہی دوڑتے ہوئے کامل کی طرف چلی گئی تھی اور یہ کہتی ہوئی گئی تھی۔ "بھائی جان! اس نے میرا لاکٹ کھول لیا ہے۔ اس لاکٹ کے اندر ایک چابی تھی۔ وہ چابی اس کی جیب میں ہے۔"

یہ سنتے ہی یکبارگی کرامت نے تمام خطرات کو نظرانداز کرتے ہوئے مجھ پر چھلانگ لگادی۔ ایسے وقت میں فائر کرتا تو میری بے تکی فائرنگ کسی بھی مسافر کو موت کی نیند سلا سکتی تھی۔ کرامت مجھ سے لپٹ پڑا تھا۔ میرا ریوالور والا ہاتھ اس کی گرفت میں تھا وہ کوشش کر رہا تھا کہ میرا ریوالور ہاتھ سے گر جائے۔ اس وقت میری پوزیشن بہت کمزور تھی میں ریلنگ سے لگا' تقریباً پیچھے کی طرف جھکا ہوا تھا میری ذرا سی کمزوری مجھے سمندر کی گود میں پہنچا سکتی تھی۔

اسی وقت کامل ہمیں ایک دوسرے سے الگ کرنے کے لئے قریب آیا۔ اس نے ہمیں جھنجوڑا۔ ایک دوسرے کو کھینچنے کی کوشش کی لیکن اسی کوشش میں اس کا دباؤ مجھ پر زیادہ پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے اور دونوں ہاتھوں کو آزاد رکھنے کے لئے ریوالور کو چھوڑ دیا۔ پھر خان اعظم خان کی گرجدار آواز سنائی دی۔ وہ کرامت علی خان سے کہہ رہا تھا۔ "کرامت صاحب! آپ ایک طرف ہٹ جائیں۔ ریوالور میرے ہاتھ میں ہے میں اس سے نمٹ لیتا ہوں۔"

خان اعظم خان کی بات سنتے ہی کرامت ایک جھٹکے سے پیچھے چلا گیا۔ خان اعظم نے کامل کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ذرا آپ بھی پیچھے چلے جائیں۔ جب تک وہ چابی میں اس کی

جیب سے نہیں نکالوں گا' اس وقت تک اسے گولی نہیں ماروں گا۔"

خان اعظم خان کا دایاں بازو زخمی تھا اور اس کی قمیض لہو سے بھیگ رہی تھی۔ اس نے بائیں ہاتھ سے اپنے گرے ہوئے ریوالور کو اٹھا کر تھام لیا تھا۔

کامل نے کہا۔ "خان اعظم! میں اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر چابی نکالتا ہوں۔ ہم دیکھیں گے یہ کیا ملا ہے؟"

خان اعظم نے دھاڑ کر کہا۔ "نہیں' چابی صرف میں نکالوں گا یا کرامت صاحب نکالیں گے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی اچانک ایک ٹھوکر اس کے ریوالور والے ہاتھ پر پڑی جمی پہنچ گیا تھا۔ ریوالور' خان اعظم کے ہاتھ سے چھوٹ کر فضا میں اڑتا ہوا ریلنگ کے پاس سمندر میں جاگرا' میں نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر خان اعظم کے سینے پر ایک فلائنگ کک ماری۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا کیبن کے اندر گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ باہر آتا میں نے کیبن کے دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ اس وقت تک جمی' بیرسٹر اور کامل دونوں سے الجھ پڑا تھا۔ کبھی اس کی پٹائی کر رہا تھا' کبھی اس کی پٹائی کر رہا تھا لڑنے میں ماسٹر تھا۔ دونوں کو پیچھے دھکیلتا جا رہا تھا۔ پھر وہ تیزی سے پلٹ کر وہاں واپس آیا' جہاں فرش پر اس نے ربڑ کی وہ کشتی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے اسے دونوں ہاتھ سے اٹھا کر سر سے بلند کرتے ہوئے کہا۔

"باس چابی آپ کے ساتھ جا رہی ہے' جائیے۔" یہ کہتے ہی وہ دوڑتا ہوا ریلنگ کے قریب آیا۔ میں نے بھی دوڑ لگائی۔ پھر چھلانگ لگا کر ریلنگ کے اوپر پہنچا جیسے ہی اس نے کشتی کو سمندر میں پھینکا۔ میں اس کشتی سے لپٹ کر جیسے چند لمحوں کے لئے خلا میں سفر کرنے لگا پھر اس کے بعد ایک زبردست جھٹکا لگا۔ کشتی سمندر کی سطح سے ٹکرائی تھی۔ میں الٹ کر کشتی کے اندر پہنچ گیا۔ اسی وقت کشتی پر کوئی چیز دھپ سے آ کر گری۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا' وہ کامل تھا۔ کامل کے بعد بیرسٹر کرامت علی خان نے جان کی بازی لگائی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اگر وہ چھلانگ لگانے کے بعد کشتی پر نہ پہنچ سکا تو سمندر کی تہہ میں پہنچ جائے گا لیکن وہ کشتی کے کنارے پہنچ گیا تھا۔ ڈوبتے ڈوبتے اس کنارے کو تھام لیا تھا جس میں کمپریشر کے ذریعے ہوا بھری ہوئی تھی۔

ہم تینوں اس کشتی سے لپٹے رہے۔ سمندر کی گہری اور دبیز لہریں کشتی کو اِدھر سے اُدھر اچھال رہی تھیں اور ہم تینوں سنبھلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب لانچ ذرا دور نکل گئی اور اس سے پیدا ہونے والی پُر زور لہریں ساکت ہونے لگیں تو کشتی کو ذرا قرار آیا۔ بیرسٹر کرامت علی خان اچھل کر اس پر سوار ہو گیا۔ اب ہم تینوں اس پر اس انداز میں تھے کہ کوئی بیٹھا ہوا تھا' کوئی لیٹا ہوا تھا اور کوئی اوندھے منہ جھکا ہوا اپنی سانسیں درست کر رہا تھا۔

میں نے اچھی طرح جم کر بیٹھتے ہوئے دور جانے والی لانچ کو دیکھا۔ ہم اس لانچ کی مخالف سمت پر لہروں کے رحم و کرم پر بہہ رہے تھے۔

میں نے کہا۔ "اب ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں اور صحیح سلامت ساحل تک پہنچنا چاہتے ہیں تو پھر چپو سنبھالنے ہوں گے یا پھر آؤ ہم یہاں اپنی اپنی جسمانی طاقت کا مظاہرہ کریں۔ جو غالب آجائے' جیت جائے وہی اکیلا ساحل تک پہنچنے کی کوشش کرے۔"

وہ دونوں مجھے گھور کر دیکھ رہے تھے۔ دانت پیس رہے تھے۔ پھر کرامت علی نے پوچھا۔ "وہ چابی کہاں ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "چابی سے زیادہ اہمیت چپوؤں کی ہے۔ بولو کیا کہتے ہو؟"

اس نے جھک کر ایک چپو کو بیلٹ کے نیچے سے کھینچا۔ میں نے دوسرے چپو کو اپنی طرف کھینچا۔ پھر کہا۔ "ایک تم دونوں کے پاس رہے گا۔ دوسرا میرے پاس۔ آخر یہ بھی تو ایک ہتھیار ہے۔"

کشتی جس سمت جا رہی تھی۔ اس حساب سے کرامت علی آگے بیٹھا ہوا تھا اور میں پیچھے۔ ہمارے درمیان کامل تھا ہم دونوں نے چپو سنبھال لئے۔ وہ دائیں طرف اور میں بائیں طرف چپو چلانے لگا تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر میں نے کہا۔ "بھئی! کمال ہو گیا۔ تین شریف آدمی لانچ کا آرام دہ سفر چھوڑ کر سمندر کی موجوں سے کھیل رہے ہیں۔ کامل پہلے میں تم سے پوچھتا ہوں۔ تم لانچ سے چھلانگ لگا کر یہاں میرے پاس کیوں آ گئے؟"

وہ غصے سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا تم نادان بچے ہو سمجھ نہیں سکتے تم نے پتہ

نہیں کس سازش کے تحت اس لاکٹ سے چابی نکالی اور یہاں لے کر آ گئے۔ یہ بات سبھی سمجھ چکے ہیں کہ جو بھی میری بہن کے گلے سے لاکٹ نکالے گا' یا اس لاکٹ کے اندر چھپی ہوئی چیز کو نکالے گا وہی قاتل ہوگا اور میں تمہیں وہی قاتل سمجھ کر تمہارے پیچھے آیا ہوں۔"

"کیا تمہیں اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ تمہارے پیچھے لانچ میں تمہاری بہن کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

کامل نے کہا۔ "ہرگز نہیں۔ جن لوگوں پر مجھے شبہ تھا ان میں سے دو یہاں میرے پاس موجود ہیں۔ تیسرا خان اعظم بری طرح زخمی ہے۔ میں نے کل رات ہی اپنے علاقے کے دو غنڈوں کو کرائے پر حاصل کر لیا تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ لانچ میں سفر کر رہے تھے۔ وہ دونوں خان اعظم کو سنبھال لیں گے۔ میری بہنوں تک پہنچنے نہیں دیں گے۔"

میں نے کہا۔ "چلو یہ اچھی بات ہے۔ اب میں اور کرامت علی تمہاری نظروں میں مجرم ہو سکتے ہیں۔"

"ہاں' تم دونوں میں سے کوئی ایک۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اگر میں ہی وہ مجرم' وہ متوقع قاتل ہوں تو میرے بھائی' میرے ریوالور کی نال تمہاری بہن کی کنپٹی سے لگی ہوئی تھی۔ موت اس سے کتنی دور تھی۔ کیا میں اسے ہلاک نہیں کر سکتا تھا۔"

وہ جواب نہ دے سکا۔ میرا منہ تکنے لگا۔ میں نے کہا۔ "تم اس پہلو پر غور کرتے رہو۔ اب میں کرامت علی سے پوچھتا ہوں۔ کیوں مسٹر! تم کس شوق میں لانچ پر سے یہاں کود پڑے تھے۔"

اس نے چپو چلاتے چلاتے ہاتھ روک دیئے۔ پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ پھر کہا۔ "وہ چابی جس کے پاس ہوگی۔ وہی قاتل کہلائے گا اور وہ چابی تمہارے پاس ہے۔ میں تمہارا محاسبہ کرنے آیا ہوں۔"

میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں بیرسٹر کس نے بنا دیا۔ کیا اتنی عقل نہیں ہے کہ وہ لڑکی ریوالور کے سامنے دہشت زدہ تھی۔ وہ ریوالور کو دیکھ رہی تھی۔ چابی کو نہ

دیکھ سکی جو میرے ہاتھ سے میرے اسسٹنٹ کے ہاتھ میں پہنچ گئی تھی۔ وہ چابی اسی لانچ میں ہے۔"

وہ ایک دم سے بوکھلا کر بولا۔ "کیا؟ نہیں تم جھوٹ بولتے ہو۔"

میں نے جیب سے ایک چاقو نکال کر کھول لیا اور کہا۔ "آؤ اور میری تلاشی لو۔ چاقو میں نے اپنی حفاظت کے لئے کھولا ہے۔ تم مجھے دھکا دینا چاہو گے تو تم بھی نہیں بچو گے۔ کامل! تم چپو سنبھال لو۔"

یہ کہہ کر میں اپنے چپو کو ایک ہاتھ میں لے کر کشتی پر لیٹ گیا۔ دوسرے ہاتھ میں چاقو تھا۔ کرامت علی اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پاس آیا اور سر سے پاؤں تک میری تلاشی لینے لگا۔ وہ کبھی کبھی کن انکھیوں سے میرے چاقو کی طرف دیکھتا تھا۔ آخر وہ مایوس ہو گیا۔ پھر میں نے کامل سے کہا۔ "اب تم آؤ اور کرامت تم چپو سنبھالو۔"

کامل نے بھی آکر تلاشی لی۔ اسے بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا واقعی وہ چابی لانچ میں رہ گئی ہے۔"

میں نے کہا۔ "ہاں' میں چاہتا تھا کہ جن مشتبہ افراد کی حیثیت میرے دماغ میں ہے' ان میں سے کوئی افسانہ کے قریب نہ رہے۔ تمہارے اطمینان کے مطابق خان اعظم زخمی ہے اور تمہارے آدمی اسے سنبھال لیں گے۔ اسی طرح مجھے بھی اطمینان ہے کہ میرا اسسٹنٹ اسے اب زمین پر سے اٹھنے بھی نہیں دے گا۔ باقی دو مشتبہ افراد میں سے تم اور کرامت ہو اور تم دونوں چابی حاصل کرنے کی دھن میں افسانہ کو چھوڑ کر میرے پیچھے چلے آئے ہو۔"

کرامت علی نے کہا۔ "تم نے افسانہ کے پاس سے متوقع قاتلوں کو ہٹا دیا۔ اگر ہم دونوں میں سے کوئی قاتل نہ ہوا اور وہ قاتل اب بھی اس لانچ میں موجود ہوا تو پھر؟ کیا افسانہ کی زندگی خطرے میں نہیں ہوگی۔ وہ چابی اس متوقع قاتل کے ہاتھ نہیں لگے گی؟"

میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "ہرگز نہیں۔ قاتل میرے سامنے ہے' تم یا کامل۔ اور یہ بات اس چابی کے ذریعے کھل جائے گی۔ وہ چابی میرا اسسٹنٹ دوسری لانچ سے واپس لے کر آئے گا۔ اس وقت تک لیلیٰ محسن پولیس والوں کے ساتھ بندرگاہ پر موجود رہے

گی اور وہ چابی وصول کرلی جائے گی۔"

کامل نے کہا۔ "میرا خیال ہے وہ چابی کسی تجوری وغیرہ کی ہوگی۔ جس میں سے کسی کے خلاف ثبوت فراہم ہوسکتے ہیں؟"

کرامت ایک طرف چپ چاپ بیٹھا تھوک نگل رہا تھا اور کبھی مجھے اور کبھی کامل کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر زردی چھا گئی تھی۔ وہ بے حد پریشان نظر آرہا تھا۔ اس نے کہا۔ "میں سب سمجھتا ہوں۔ یہ میرے خلاف سازش ہو رہی ہے۔ کامل تم ایک بیرسٹر سے زیادہ ذہین نہیں ہوسکتے۔ میں ثابت کردوں گا کہ تم نے میرے خلاف سازش کرنے کے لئے کسی چابی کا ڈرامہ پہلے سے کرایا ہے تم ابھی بچے ہو۔ عدالت ٹھوس ثبوت مانگتی ہے اور تم میرے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہیں کر سکو گے۔ کیونکہ میں بے قصور ہوں۔ میں نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ میں بیرسٹر کی حیثیت سے اب تک مجرموں کو سزا دلاتا رہا ہوں کوئی مجھے سزا نہیں دے سکے گا۔"

میں نے کہا۔ "بیرسٹر صاحب! یہ سمندر ہے' عدالت کا کمرہ نہیں ہے۔ جب تم بے قصور ہو تو چپ چاپ بیٹھو۔ ساحل تک پہنچنے کا انتظار کرو۔"

وہ غصے سے بولا۔ "ہاں ہاں' انتظار کر رہا ہوں۔ میں احمق نہیں ہوں۔ ساحل پر پہنچتے ہی میں اپنے وسیع ذرائع استعمال کروں گا۔ ایک ہیلی کاپٹر حاصل کروں گا اور جزیرے میں پہنچ جاؤں گا۔ تم لوگ سازشی ہو اور میری بیوی اور سالی کو نقصان پہنچانا چاہتے ہو۔ میں ان کی حفاظت کروں گا۔"

کامل نے اسے گھونسہ دکھا کر کہا۔ "میں پرواز کرنے سے پہلے ہی تمہارے پر کاٹ کر پھینک دوں گا۔ تمہیں اپنی بہنوں تک پہنچنے نہیں دوں گا۔ مسٹر شہاب ٹھیک کہتے ہیں۔ ہم دونوں میں سے ہی کوئی قاتل ہوسکتا ہے۔ دنیا میں ایسے تماشے ہوتے ہیں کہ بیٹا دولت کی خاطر باپ کو قتل کردیتا ہے۔ ان کا شبہ مجھ پر ہے تو میں برا نہیں مانوں گا۔ اگر وہ چابی کسی مجرم کا بھید کھول سکتی ہے تو میں اس کا انتظار کروں گا اور مجھے اپنے کردار پر اور خدا کی ذات پر بھروسہ ہے کہ مجھ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

میں نے کہا۔ "کامل' تم بہت اچھی باتیں کرتے ہو مگر افسوس میں باتوں میں آکر

تمہیں بھی ڈھیل نہیں دوں گا۔ میرے اسسٹنٹ نے اب تک وائرلیس کے ذریعے بندرگاہ تک پیغام رسانی کی ہوگی اور وہ پیغام لیلیٰ محسن تک پہنچ چکا ہوگا اور وہ کیا کر رہی ہوگی' یہ تو ساحل پر پہنچنے کے بعد ہی معلوم ہوگا۔"

میری بات سن کر وہ دونوں خاموش ہوگئے۔ بیرسٹر کرامت علی کن انکھیوں سے کامل کو دیکھ رہا تھا اور کامل غصے اور نفرت سے گھور رہا تھا۔ ہمارا سفر اسی طرح جاری رہا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد ہمیں ساحل نظر آنے لگا۔ اسی دوران میں نے محسوس کیا کہ کرامت علی بہت زیادہ بے چین تھا۔ اندر ہی اندر اس قدر مضطرب تھا کہ ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتا تھا کبھی پہلو بدلتا تھا' کبھی اس جگہ سے اس جگہ سرک جاتا تھا۔ کبھی ہم دونوں کو دیکھنے لگتا تھا۔ آخر اس نے جھنجلا کر کہا۔ "کوئی میرے خلاف ثبوت پیش نہیں کرسکتا۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا یہ ایک مجرم کا چیلنج ہے؟"

وہ بوکھلا گیا۔ پھر جلدی سے سنبھل کر بولا۔ "نہیں ایک شریف آدمی کا چیلنج ہے جو بے قصور ہے جو ہمیشہ سے شریفانہ زندگی گزار رہا ہے۔ اس کے خلاف بھلا کوئی کیا ثبوت پیش کرسکے گا۔"

کامل نے کہا۔ "جب یقین ہے تو یہ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت اس لئے ہے کہ ایک بے قصور انسان کے خلاف سازش بھی کی جاسکتی ہے۔ بلکہ میرے خلاف کی جارہی ہے۔ پتہ نہیں لیلیٰ محسن کیا قانونی کارروائی کرے۔ میں ساحل پر پہنچتے ہی تم لوگوں سے الگ ہوجاؤں گا اور اپنے لئے حفاظتی تدابیر کروں گا۔"

میں نے کہا۔ "تمہیں الگ کون ہونے دے گا تم میرے ساتھ رہو گے جب لیلیٰ چاہے گی' اسی وقت میں تمہیں چھوڑوں گا۔"

وہ غصے سے چیخ کر بولا۔ "میں کوئی مجرم نہیں ہوں۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ تمہاری کیا قانونی حیثیت ہے کہ تم مجھے پکڑ کرلے جاؤ؟"

"یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ چور کو صرف پولیس ہی پکڑے۔ ایک عام آدمی بھی قانون کا ساتھ دینے کے لئے مجرم کو اس کے انجام تک پہنچا سکتا ہے۔"

کامل نے کہا۔ "بے شک' اگر میں مجرم ہوں تو میں بھی آپ کے ہاتھوں انجام تک

پہنچنے کے لئے تیار ہوں اور کرامت علی' تمہیں بھی شہاب صاحب کے ساتھ چلنا ہوگا۔ نہیں چلو گے تو ہم دونوں تمہیں باندھ کر لے جائیں گے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی کرامت علی نے چپو والا ہاتھ پوری قوت سے گھمایا۔ میں نے کامل کو ایک طرف کھینچ لیا۔ چپو اس کے اوپر سے گزرتا چلا گیا۔ دوسرے لمحے کامل نے اٹھتے ہی ایک لات اسے رسید کی۔ وہ لڑکھڑایا۔ کشتی ڈگمگا رہی تھی مگر دونوں ایک دوسرے سے لپٹ پڑے تھے۔ میں نے چیخ کر کہا۔ "کیا کر رہے ہو؟ ہم سب ڈوب جائیں گے۔ کشتی الٹ جائے گی۔" میں نے پریشان ہو کر دیکھا۔ اب لہریں تیز اور تند ہو چلی تھیں کیونکہ ساحل قریب تھا اور ساحل کے پاس پہنچنے والی لہریں تو اپنی طوفانی رفتار سے آتی جاتی رہتی ہیں۔ ہماری وہ کشتی کبھی لہروں پر اچھل رہی تھی اور کبھی لہروں کی پستی میں ڈوب رہی تھی۔ اسی وقت مجھے دونوں کی چیخیں سنائی دیں۔ میں نے دیکھا۔ ایک طرف کامل اور دوسری طرف کرامت علی کشتی کے باہر الٹ کر گر رہے تھے میں نے کشتی کے کنارے کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ کشتی اس بری طرح ڈگمگا رہی تھی جیسے اب تب میں الٹنے ہی والی ہو۔ وہ دونوں ابھرتی اور ڈوبتی ہوئی لہروں میں کبھی نظر آ رہے تھے۔ کبھی ڈوب رہے تھے۔ ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ اتفاق سے دونوں ہی اچھے پیراک تھے اس لئے ان لہروں سے مقابلہ کر رہے تھے۔

ساحل پر تفریح کرنے والے مردوں اور عورتوں کا مجمع لگا ہوا تھا۔ دور دور تک رنگین چھتریاں نظر آ رہی تھیں۔ ایک میلے کا سا سماں تھا۔ میں نے دیکھا' تقریباً چار مچھیرے دوڑتے ہوئے سمندر کی لہروں میں کود پڑے تھے اور انہیں بچانے کے لئے آ رہے تھے۔ میں اپنے بچنے کی فکر میں تھا۔ کشتی کو سنبھال رہا تھا۔ پھر ان لہروں نے رفتہ رفتہ کبھی اچھالتے ہوئے کبھی ڈبونے کی دھمکیاں دیتے ہوئے مجھے ساحل کی ریت پر لا کر پھینک دیا۔

میں نے ساحل پر پہنچتے ہی تیزی دکھائی۔ فوراً ہی اٹھ کر اس ربڑ کی کشتی کو گھسیٹتے ہوئے دور لے جانے لگا۔ اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ کشتی واپس لہروں میں نہ بہہ جائے۔ اس کی سب سے زیادہ اہمیت تھی۔

اسی وقت میں نے ہیلی کاپٹر کی آواز سنی۔ وہ دور سمندر سے پرواز کرتا ہوا ساحل کی

طرف آ رہا تھا۔ ادھر چاروں مچھیروں نے کامل اور کرامت علی کو صحیح سلامت ساحل تک پہنچا دیا تھا۔ وہ دونوں ریت پر بیٹھے ہوئے کانپ رہے تھے۔ پھر اچانک ہی کرامت علی اٹھ کر بھاگنے لگا۔ کامل نے بھی اٹھ کر اس کی طرف چھلانگ لگائی اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ وہ اوندھے منہ گرا۔

میں نے چیخ کر کہا۔ "اس آدمی کو بھاگنے نہ دو۔ پکڑ لو۔"

ذرا سی دیر میں وہاں بھیڑ لگ گئی۔ وہ ہیلی کاپٹر ساحل کی طرف آ گیا تھا اور ہمارے قریب ہی چکر لگا رہا تھا۔ پھر میں نے دیکھا وہ دور جا کر زمین پر اتر رہا تھا۔ کامل' کرامت علی کو پکڑ کر میری طرف لا رہا تھا۔ اس کے چاروں طرف لوگوں کی بھیڑ تھی۔ عورتیں دور کھڑی ہوئی تماشا دیکھ رہی تھیں۔ جب وہ سب میرے قریب پہنچ گئے تو ایک شخص نے پوچھا۔ "اسے کیوں پکڑا جا رہا ہے۔ یہ کون ہے؟"

کرامت علی نے چیخ کر کہا۔ "میں بیرسٹر کرامت علی خان ہوں۔ اس شہر کا بہت مشہور و معروف بیرسٹر۔ یہ لوگ مجرم ہیں۔ مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ خدا کے لئے مجھے ان سے بچاؤ' میں پولیس والوں تک پہنچ کر اپنا تحفظ کرنا چاہتا ہوں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہاں' میں آپ لوگوں سے درخواست کروں گا کہ اس کی اس حد تک مدد کی جائے کہ یہ پولیس والوں تک پہنچ کر اپنے بچاؤ کی تدبیر کر سکے۔ ویسے میں بھی بیرسٹر محسن لیلیٰ کا پرائیویٹ سیکرٹری ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے جیب سے ایک پلاسٹک کی تھیلی نکالی۔ اس کے اندر رکھے ہوئے ایک شناختی کارڈ کو نکال کر ان کے سامنے پیش کر دیا۔ سب لوگ دیکھنے لگے۔ وہاں اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی تھے اور جوشیلے نوجوان بھی۔ اس کا نتیجہ یہی ہوتا کہ وہ ہم سب کو پولیس کے حوالے کرنے کے لئے کہیں لے جاتے لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ہیلی کاپٹر سے اترنے والے پولیس کے ہی آدمی تھے۔ اطلاع ملی تھی کہ ہم ربڑ بوٹ کے ذریعے سمندر میں سفر کر رہے ہیں اور ساحل کی طرف جا رہے ہیں۔ انہوں نے پہلے ہمیں سمندر کی طرف دیکھا تھا اور اب ساحل پر پہنچ کر میری مشکل آسان کر دی تھی۔

☆------☆------☆

لیلیٰ نے واجبی سی قانونی کارروائی کی تھی۔ وہ بیرسٹر کرامت علی خان کے خلاف ابھی کوئی الزام عائد نہیں کر سکتی تھی۔ کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے اس نے عدالت سے یہ اجازت نامہ حاصل کیا تھا کہ جب تک چابی کے ذریعے کسی اہم ثبوت تک نہ پہنچا جائے اس وقت تک بیرسٹر کرامت علی اور کامل سرفراز کو کہیں باعزت طریقے سے نظربند رکھا جائے اور ان دونوں بہنوں' ریحانہ اور افسانہ کو باحفاظت جزیرے سے واپس لاکر کوٹھی میں پہنچایا جائے اور انہیں بھی اس وقت تک کسی رشتے دار سے ملنے کی اجازت نہ دی جائے جب تک کہ وہ متوقع قاتل بے نقاب نہ ہو جائے۔

میں نے اس کشتی کے کناروں کی ہوا نکال کر وہ چابی بھی نکال لی تھی۔ وہ چابی ایک بنک کے لاکر کی تھی۔ دوسری صبح میں' انسپکٹر رجب سومرو اور لیلیٰ محسن کے ساتھ اس بنک کے منیجر کے پاس پہنچا۔ لیلیٰ محسن نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "میں بیرسٹر لیلیٰ محسن ہوں۔ یہ آپ کے بنک کے لاکر کی چابی ہے اور اگر میرا اندازہ درست ہے تو وہ لاکر مقتول سرفراز علی خان کے نام سے ہے۔"

منیجر نے اس چابی کو دیکھا پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ "مسز لیلیٰ محسن! آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی میں تقریباً ساڑھے چار ماہ سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

لیلیٰ نے حیرانی سے پوچھا۔ "آپ میرا انتظار کیوں کر رہے تھے؟"

"اس لئے کہ جس گمنام شخص نے آپ کو خط لکھا تھا اور ایک پارسل آپ کے نام روانہ کیا تھا' اس شخص نے مجھے بھی تاکید کی تھی کہ جب کبھی بیرسٹر لیلیٰ محسن لاکر کی دوسری چابی لے کر آئیں تو میں لاکر کی تمام چیزیں آپ کے حوالے کر دوں۔"

میں نے پوچھا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس گمنام شخص کو جانتے ہیں۔ جس نے آپ کو اس بات کی اجازت دی ہے؟"

"جی ہاں' بڑے افسوس کی بات ہے کہ وہ گمنام شخص اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ آہ' وہ میرا بہت ہی عزیز دوست تھا لیکن بڑا محتاط تھا۔ اپنی زندگی کے آخری حصے میں اس نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ وہ کیوں پریشان رہتا ہے۔ وہ مجھ سے بھی اپنا راز چھپاتا رہا۔ بس

رازداری کی یہ شرط رکھی کہ جب تک لیلیٰ صاحبہ خود یہ چابی لے کر نہ آئیں اس وقت تک میں ان سے رابطہ قائم نہ کروں ورنہ میرا دل بہت چاہتا تھا کہ لیلیٰ صاحبہ یہاں آئیں۔ پھر میں دوسری چابی سے وہ لاکر کھولوں اور دیکھوں کہ میرا دوست آخری وقتوں میں کیوں پریشان رہتا تھا۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا آپ یہ بات سرفراز علی خان کے متعلق کہہ رہے ہیں؟"

"جی ہاں' آیئے! ہم اس لاکر کو کھولیں۔" اس نے دوسری چابی منگوائی۔ پھر ہم بنک کے اندرونی حصے میں گئے۔ جہاں بہت سے لاکر تھے۔ جب سرفراز علی خان کے نام کا لاکر کھولا گیا تو وہاں صرف ایک ویڈیو کیسٹ رکھا ہوا تھا۔

ایک گھنٹے بعد لیلیٰ محسن کے ڈرائنگ روم میں پولیس کے بڑے بڑے اعلیٰ افسران بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اور لیلیٰ ایک صوفے پر تھے۔ ہمارے سامنے بڑے سے ٹی وی اسکرین پر وی سی آر کے ذریعے وہ ویڈیو کیسٹ پلے ہو رہا تھا۔

سب سے پہلے اسکرین پر نیم تاریکی سی رہی۔ پھر اچانک ایک معمر مگر صحت مند شخص دکھائی دیا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "ناظرین! مجھے یقین ہے کہ اس وقت بیرسٹر لیلیٰ محسن کے ساتھ دوسرے قانون کے محافظ بھی مجھے دیکھ رہے ہوں گے اور سن رہے ہوں گے۔ میرا نام سرفراز علی خان ہے۔ تمنا تو یہ تھی کہ جیتے جی قانون کے محافظوں سے سامنا کروں اور مجرموں کے ساتھ خود بھی بے نقاب ہو جاؤں لیکن پھر سوچتا تھا کہ اولاد کے سامنے بے نقاب ہونے کے بعد زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ لہٰذا جب تک زندگی ہے تب تک بے شرمی سے جی لوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ میری موت طبعی نہیں ہوگی۔ شاید قتل کر دیا جاؤں اور ایسے انداز میں کہ قتل کا شبہ نہ ہو۔ میں اپنے دشمنوں کو خوب جانتا اور پہچانتا ہوں۔ وہ مجھے اسی طرح ماریں گے کہ میری موت طبعی معلوم ہوگی۔ اس لئے میں نے بہت سوچ بچار کے بعد اس طریقے کو اختیار کیا ہے کہ اپنے مرنے کے بعد بھی میں آپ جیسے قانون کے محافظوں کے درمیان واپس آجاؤں۔

لیجئے' میں واپس آگیا ہوں۔ اس وقت میرے اطراف تیز قسم کی روشنی ہے اور

ٹھیک سامنے اونچے سے اسٹینڈ پر میں نے ویڈیو کیمرے کو آن کر دیا ہے۔ جس اہتمام سے میں اپنے آپ کو اسکرین پر پیش کر رہا ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ میں اس وقت ذہنی طور پر نارمل ہوں اور پورے ہوش وحواس میں رہ کر یہ بیان دے رہا ہوں۔

اب سے تقریباً پچیس برس پہلے میرا شمار ان خاندانی رئیسوں میں ہوتا تھا جو دولت مند تو کہلاتے ہیں مگر ان کے پاس دولت نہیں ہوتی۔ صرف آباؤ اجداد کی چھوڑی ہوئی شان و شوکت رہ جاتی ہے۔ میں رئیس اعظم مشہور تھا۔ مگر اندر سے بالکل کھوکھلا تھا۔ ایسے ہی وقت میری ملاقات دلربا بیگم سے ہوئی۔ دلربا ایک نوجوان دولت مند بیوہ تھی۔ شہر میں اس کی چار عالیشان کوٹھیاں تھیں۔ چھ قیمتی کاریں تھیں اور کروڑوں روپے کا بنک بیلنس تھا۔ میں نے جال پھینکا۔ وہ میرے عشق میں گرفتار ہونے لگی۔ صرف چند ملاقاتوں میں وہ میری دیوانی ہوگئی لیکن شادی کے مسئلہ پر کترانے لگی کیونکہ میری پہلے ہی ایک بیوی تھی اور میری بیٹی ریحانہ اس وقت چار برس کی تھی۔

میں نے اسے سمجھایا منایا' یقین دلایا کہ پہلی شادی میری مرضی کے خلاف ہوئی ہے۔ میں اس شادی سے خوش نہیں ہوں۔ صرف دلربا کا دیوانہ ہوں۔ اگر وہ مجھے نہ ملی تو میں خودکشی کرلوں گا۔ پھر میں نے ایک دن خودکشی کا ڈرامہ کھیلا۔ اس نے مجھے خودکشی سے بچالیا۔ وہ بے چاری کیا جانتی تھی کہ یہ محض ایکٹنگ ہے لیکن اتنا جان گئی کہ میں اس کا دیوانہ ہوں۔ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور اس کے لئے کسی وقت بھی جان دے سکتا ہوں۔ بس وہ میری ہوگئی۔

شادی کے بعد میں نے دلربا کو مشورہ دیا کہ اتنی دولت سے کوئی بہت بڑا کاروبار شروع کرنا چاہئے۔ میرے ایک دوست رحمت علی خان نے مشورہ دیا کہ لوہے کا کاروبار شروع کرنا چاہئے۔ اس میں رقم زیادہ لگے گی لیکن منافع بھی بے حساب ہوگا۔

میں نے اس کے مشورے پر یہی کام شروع کیا۔ پھر واقعی منافع نظر آنے لگا۔ میں نے ایک بہت بڑا کارخانہ قائم کیا۔ اس کا نام سرفراز آئرن مل رکھ دیا۔ میرا دوست رحمت علی خان اس مل کا جنرل منیجر تھا۔

دلربا بہت سخت عورت تھی۔ کاروبار میں مداخلت کرتی تھی اخراجات اور آمدنی کا

پورا حساب رکھتی تھی۔ جنرل منیجر رحمت علی خان سے کوئی کوتاہی ہوتی تو سختی سے ڈانٹ دیتی تھی۔ یہ بات مجھے بری لگتی تھی۔ میرے دوست نے بھی کئی بار شکایتیں کیں۔ کئی بار اس نے کام چھوڑ کر جانا چاہا لیکن میں نے اسے روک لیا۔ انہی دنوں دلربا سے میرا ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام میں نے کامل سرفراز رکھا۔

میرے دوست رحمت علی خان کا بھی ایک بیٹا تھا اور وہ اسے بہت بڑا بیرسٹر بنانے کے خواب دیکھتا تھا۔ جب بھی وہ میری آئرن مل کو چھوڑ کر جانا چاہتا تو میں اس کے خواب تازہ کر دیتا تھا' اس سے وعدہ کرتا تھا کہ اس کے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلاؤں گا۔ لہٰذا وہ دلربا کی باتوں کا برا نہ مانے۔

اس طرح تقریباً دس برس گزر گئے میرے دوست کا بیٹا کرامت علی خان اب پچیس برس کا تھا وہ میری بڑی بیٹی ریحانہ سے تقریباً گیارہ برس بڑا تھا۔ میں نے جب دیکھا کہ وہ ذہین ہے اور واقعی اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکتا ہے تو میں نے اپنے دوست رحمت علی سے وعدہ کیا کہ میں اپنی بیٹی کو اس کی بہو بنا دوں گا۔ اس طرح ہمارے رشتے اور مستحکم ہونے لگے لیکن دوسری طرف رحمت علی خان دلربا سے سخت نفرت کرنے لگا۔

میں بھی دلربا سے بیزار ہونے لگا تھا کیونکہ وہ مجھ پر بھی سختی کرتی تھی۔ رات کو میں دیر سے آتا تو باتیں سناتی۔ مجھے شراب پینے سے روکتی تھی کبھی اسے پتہ چل جاتا کہ میں نے کسی عورت کے ساتھ کہیں تھوڑا سا تفریحی وقت گزارا ہے تو وہ سختی سے وارننگ دیتی کہ میں راہ راست پر نہ آیا تو وہ آئرن مل کی تمام چابیاں چھین لے گی۔ کاروبار خود چلائے گی اور میرے ساتھ میرے دوست رحمت علی خان کو بھی مل سے باہر کر دے گی۔

رحمت علی نے مجھے اس کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ اس نے کہا کہ اگر یہی حال رہا تو ایک دن تم اس تمام دولت اور جائیداد سے محروم ہو جاؤ گے۔ بے شک آئرن مل میں تمام سرمایہ دلربا کا ہے لیکن محنت ہماری تمہاری ہے۔ ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔

وہ درست کہتا تھا میرے دماغ میں اس کی یہ باتیں پکنے لگیں میں سوچنے لگا کسی طرح اس عورت سے پیچھا چھوٹ جائے تو تمام کاروبار پر میرا قبضہ ہوگا۔ اس کی تمام دولت و جائیداد صرف میری ہوگی۔

لیکن پیچھا چھڑانا آسان نہیں تھا۔ اسے قتل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایسی صورت میں قانون کے محافظ مجھ پر شبہ کرتے کیونکہ اس کی دولت اور جائیداد کا واحد حق دار میں تھا اور میں ہی یہ سب کچھ حاصل کرنے کے لئے اسے قتل کرسکتا تھا۔ میں اپنے آپ کو قانون کی نظروں میں مشکوک نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میرے دوست رحمت علی نے اپنے بیٹے کرامت علی خان سے مشورہ کیا۔ ان دنوں وہ ایم اے' ایل ایل بی کی تعلیم مکمل کرچکا تھا اور ایک بہت بڑے بیرسٹر کی ماتحتی میں عملی تجربات سے گزر رہا تھا۔ کرامت علی خان نے بتایا کہ عدالت میں ایسے بھی کیس آتے ہیں کہ قتل کا شبہ ہوتا ہے مگر ثبوت نہیں ملتے اور لوگ یوں بھی قتل ہوتے ہیں کہ ان کی لاش کو دیکھ کر طبعی موت کا گمان ہوتا ہے۔

بہرحال ایک منصوبہ بنایا گیا۔ اس منصوبے کے مطابق ہمارے گھر میں ایک ملازمہ تھی۔ اسے کوٹھی سے دور رکھنا ضروری تھا۔ ہم اس انتظار میں تھے کہ وہ کسی دن خود چھٹی لے کر جائے تو اسی دن قتل کے منصوبے پر عمل کیا جائے۔ اگر میں اسے خود چھٹی دیتا تو یہ شبہ کی بات ہوتی۔ آخر ایک دن اس نے کسی ضرورت سے چھٹی مانگی میں نے کہا۔ تم اپنی بیگم صاحبہ سے اجازت لو۔ اس نے دلربا سے درخواست کی دلربا نے اسے ایک دن کی چھٹی دے دی۔

اس روز میں دلربا سے یہ کہہ کر چلا گیا کہ آج آئرن مل میں بہت کام ہے۔ شاید میں شام تک واپس نہ آسکوں۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ میں خود ہی دوپہر کو آپ کے لئے کھانا لے کر آؤں گی۔

مگر وہ دوپہر دیکھ نہ سکی۔ جب وہ غسل کرنے کے لئے باتھ روم میں جانے سے پہلے اپنے بیڈ روم کا دروازہ بند کرنا چاہتی تھی تو اسی وقت آج کا بیرسٹر کرامت علی خان اپنے ایک آلہ کار خان اعظم خان کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اس نے دلربا کو خان اعظم خان کی مدد سے قابو میں کیا اور پانی سے بھرے ہوئے ٹب میں لے جاکر ڈبو دیا۔ پھر ان دونوں نے اس وقت تک اسے پانی کے اندر دبائے رکھا جب تک اس کا دم نہ نکل گیا۔

یہ باتیں خان اعظم خان اور بیرسٹر کرامت علی نے مجھے دفتر میں آکر بتائیں۔ انہوں

نے دلربا کو پانی کے ٹب سے نکال کر فرش پر لٹایا تھا' اس کے بدن کو اچھی طرح خشک کیا' اسے دوسرا خشک لباس پہنایا تھا پھر ہیئر ڈرائیر کے ذریعے اس کے بالوں کو اچھی طرح خشک کیا تھا اس کے بعد اس کے کنگھی کی' چوٹی گوندھی اور اسے بستر پر لاکر لٹا دیا۔

انہوں نے یہ تمام کام اتنی احتیاط اور اتنی مکمل منصوبہ بندی سے کیا تھا کہ کوئی شبہ نہیں کرسکتا تھا۔ تمام رشتہ داروں اور عزیز و اقارب کی موجودگی میں اس کی تجہیز و تکفین ہوئی اور کوئی یہ نہ جان سکا کہ اسے قتل کیا گیا تھا۔ چونکہ سبھی طبعی موت سمجھ رہے تھے' اس لئے پوسٹ مارٹم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

میرے راستے کا کانٹا صاف ہوگیا لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بعد میں' میں کتنے کرب سے گزرتا رہوں گا۔ جب بھی میں اپنے بیٹے کامل کا سامنا کرتا تھا تو گھبرا جاتا تھا کیونکہ کامل کی آنکھیں اپنی ماں سے مشابہ تھیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہوبہو اپنی ماں کی آنکھیں کامل کو ملی تھیں۔ جب وہ میری طرف دیکھتا تھا تو یوں لگتا تھا جیسے دلربا مجھے دیکھ رہی ہے۔

اگر میں یہ کہوں کہ میں اپنی اولادوں میں سے کامل کو سب سے زیادہ چاہتا ہوں تو یہ بات دوغلی سمجھی جائے گی کیونکہ ایک طرف میں اس کی چاہت کا دعویٰ کرتا ہوں تو دوسری طرف میں نے اس کی ماں کو قتل کرا دیا۔ میرا بیٹا جب کبھی کسی بات پر میرے سامنے ہنستا تھا تو مجھے یوں لگتا تھا جیسے دلربا کی آنکھیں میری ہنسی اڑا رہی ہیں اور کبھی وہ کسی بات پر روتا تو یوں لگتا کہ وہ میری بے وفائی پر آنسو بہا رہی ہے' پوچھ رہی ہے کہ میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ میں نے تمہیں محبت دی' اپنا جسم دیا' اپنی ساری توجہ دی' اپنی زندگی دی' اپنی دولت دی اور تم نے مجھے کیا صلہ دیا۔

گناہگاروں اور خطرناک مجرموں کو ایسا پچھتاوا نہیں ہوتا۔ وہ جو کر گزرتے ہیں پھر اس کے متعلق نہیں سوچتے کیونکہ سوچنے کے کسی نہ کسی مرحلے پر پچھتاوا شروع ہونے لگتا ہے۔

لیکن جلد ہی میں نے محسوس کیا کہ میں اپنے جرم کے جال میں خود گرفتار ہوتا جارہا ہوں۔ میں نے بیرسٹر کرامت علی خان سے اپنی بڑی بیٹی ریحانہ کی شادی کردی۔ وہ بڑی

خوشگوار زندگی گزار رہے تھے لیکن اِدھر میرے داماد کرامت علی خان نے اپنے والد کی وفات کے بعد خان اعظم خان کو میری آئرن مل کا جنرل منیجر بنا دیا تھا اور خود میرا کام سنبھالتا تھا۔ میں کبھی آمدنی اور اخراجات کا حساب کرنا چاہتا تو وہ مجھے ٹال دیتا تھا۔ میں ذرا بزرگانہ انداز میں سختی سے پیش آتا تو وہ میرا مذاق اڑا کر یوں چلا جاتا جیسے میری کوئی اہمیت نہ ہو۔

پھر اس نے ایک دن کہا۔ ”انکل! آپ بوڑھے ہو گئے ہیں‘ اب آپ کو گھر میں آرام کرنا چاہئے۔ لہٰذا آئرن مل کی آمدنی اور اخراجات کے متعلق میں ہی خان اعظم خان سے حساب لیا کروں گا۔ میں آپ کے بیٹے جیسا ہوں اور یہ کاروبار اتنا منافع بخش ہے کہ میں اسے تباہ نہیں کر سکتا یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں‘ آپ کی بیٹی کے لئے اور آپ کے نواسے‘ نواسیوں کے لئے کر رہا ہوں۔“

میں نے اس سے کہا کہ جب تک میں صحت مند ہوں‘ چلنے پھرنے کے قابل ہوں اس وقت تک میں گھر میں نہیں بیٹھ سکتا۔

اس نے کہا۔ ”اگر آپ نہیں بیٹھ سکیں گے تو ہم ہمیشہ کے لئے بٹھا دیں گے۔“

میں نے غصے سے پوچھا۔ ”یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ میں تم سے اتنی محبت کرتا ہوں‘ تمہیں اتنی عزت دیتا ہوں‘ تمہیں اتنا چاہتا ہوں اور تم مجھ سے اس انداز میں گفتگو کر رہے ہو۔“

اس نے کہا۔ ”انکل! محبت کیا ہوتی ہے۔ کیا دلربا بیگم آپ سے محبت نہیں کرتی تھیں۔ کیا وہ آپ کی وفادار نہیں تھیں۔ کیا انہوں نے اپنا سب کچھ آپ پر نہیں لٹا دیا تھا پھر آپ نے انہیں قتل کیوں کرایا؟“

میں نے گھبرا کر کہا۔ ”آہستہ بولو۔ میرے بچے سنیں گے تو میں انہیں منہ نہیں دکھا سکوں گا۔“

”یہی تو میں چاہتا ہوں کہ جب تک آپ زندہ رہیں‘ اپنی اولاد کو اپنا منہ دکھاتے رہیں اور ہم آپ کا اصلی منہ چھپاتے رہیں۔“

”آخر تم چاہتے کیا ہو؟“

”میں چاہتا ہوں کہ آپ ایک وصیت نامہ لکھ دیں۔ میں نے وہ وصیت نامہ اپنے

طور پر مرتب کر لیا ہے۔ آپ کسی کو یہ نہیں بتائیں گے کہ یہ میرے اشارے پر لکھا جا رہا ہے۔ آپ اپنے فیملی ڈاکٹر اور کسی دوسرے وکیل کے سامنے باہوش و حواس اس وصیت نامے کو لکھیں گے۔ اس میں صاف طور پر یہ لکھا ہوا ہے کہ آپ اپنے داماد و بیرسٹر کرامت علی خان سے یہ وصیت نامہ نہیں لکھوا رہے ہیں کیونکہ وہ اپنا ہے اور دوسرے جو اپنے ہیں انہیں اس بات کی شکایت ہو سکتی ہے کہ شاید کرامت علی خان نے وصیت نامے میں کوئی ہیر پھیر کیا ہے۔“

میں نے بیرسٹر کرامت علی خان کے مرتب کئے ہوئے وصیت نامے کو شروع سے آخر تک پڑھا۔ میرے ناظرین‘ مجھے دیکھنے اور سننے والے حضرات اور قانون کے محافظ یقیناً اب تک میرا وہ وصیت نامہ آپ کی نظروں سے گزر چکا ہوگا۔ جسے بیرسٹر لیلیٰ محسن نے پڑھ کر سنایا ہے اور وہی قانون کے محافظوں کے سامنے اس وصیت نامے کو پیش کر سکتی ہیں۔

میں یہاں اس وقت بیٹھا ہوا اپنے پورے ہوش و حواس میں رہ کر اپنے بیانات کے مطابق اس وصیت نامے کو یکسر مسترد کرتا ہوں اور اسے سراسر ایک فراڈ قرار دیتا ہوں۔ وہ فراڈ میرے ہی ہاتھوں سے کرایا گیا اور مجھے مجبور کیا گیا۔

پہلے تو میں نے اس وصیت کو اپنے طور پر لکھنے اور اسے ایک قانونی حیثیت دینے سے انکار کیا۔ تب بیرسٹر کرامت علی خان اور خان اعظم خان نے میرے سامنے بیٹھ کر کہا۔ ”ہمارے چہرے دیکھ لیں۔ ہم وہی ہیں جنہوں نے دلربا کو ٹھکانے لگا دیا۔ آپ کی بیٹی ریحانہ میری شریکِ حیات ہے میں کسی وقت بھی اسے ٹھکانے لگا سکتا ہوں لیکن وہ مجھے بے حد عزیز ہے۔ میں اسے چاہتا ہوں اور آپ کی طرح نہیں چاہتا کہ محبت سے قتل کر دوں۔ ہاں‘ آپ کی چھوٹی لاڈلی بیٹی افسانہ سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ فیصلہ کریں کہ دلربا کی موت کس کو ملنی چاہئے افسانہ کو یا آپ کو۔ یہ خدمات ہم آپ کے لئے انجام دے سکتے ہیں۔“

میں نے غصے سے کہا۔ ”میں تمہارے خلاف رپورٹ درج کراؤں گا۔ میں بتاؤں گا کہ مجھے تم دونوں سے خطرہ ہے۔“

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ کرامت علی خان نے کہا۔ "آپ ہمارے خلاف کیا ثبوت فراہم کریں گے۔ آپ کی بیٹی میری شریکِ حیات ہے اور اس بات کی گواہ ہے کہ میں نے آپ کے سامنے کبھی جھوٹ نہیں بولا' آپ سے کبھی گستاخی نہیں کی' آپ کی آئرن مل میں کبھی کسی طرح کا خورد برد نہیں کیا۔ سارا حساب آپ کے سامنے اور قانون کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ مجھے کاروبار کے سلسلے میں گھپلا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جبکہ ایک دن سب کچھ میرا ہونے والا ہے۔ آپ کی چھوٹی بیٹی افسانہ مجھے بہنوئی کہتی ہے لیکن باپ کی طرح عزت کرتی ہے۔ مجھے اس قدر چاہتی ہے کہ آپ میرے خلاف کچھ کہیں گے تو وہ یقین نہیں کرے گی اور پھر آپ کس بنیاد پر مجھے جھوٹا' فریبی یا مجرم کہہ سکتے ہیں۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ بے شک میں ایسا نہیں کرسکتا تھا لیکن اس وصیت نامے کو لکھنے سے بھی انکار کرتا رہا۔ پھر ایک دن میرا داماد کرامت علی' میری بیٹی ریحانہ کو لے کر پہاڑی علاقے میں چلا گیا۔ مقصد تفریح کا تھا لیکن وہاں سے اس نے خبر بھیجی کہ اگر میں نے اس وصیت نامے کو نہیں لکھا اور اسے قانونی حیثیت نہیں دی تو ریحانہ واپس نہیں آئے گی۔

ان دنوں میرا بیٹا کامل مجھ سے ناراض ہو کر گھر سے چلا گیا تھا۔ محض اس لئے کہ میں نے اسے ایک لاکھ روپے نہیں دیئے تھے۔ میرے داماد اور میری بیٹی نے مجھے بھڑکایا کہ میں اتنی بڑی رقم کامل کو نہ دوں۔ وہ کاروبار کرنے کے بہانے اتنی بڑی رقم ضائع کر دے گا۔ میں ان کی باتوں میں آگیا تھا اور شرط پیش کی تھی کہ وہ پچاس ہزار سے کاروبار شروع کر کے مجھے ایک لاکھ روپے تک کا منافع دکھائے تو اس کے بعد اس کا مطالبہ پورا کروں گا۔ بہرحال وہ مجھ سے ناراض ہو کر چلا گیا۔ خان اعظم خان نے مجھے دھمکی دی۔ وہ چلا گیا ہے تو زندہ واپس نہیں آئے گا۔ کسی بھی جگہ کسی بھی موقع پر اسے بڑی آسانی سے قتل کیا جاسکتا ہے لہٰذا چوبیس گھنٹے کے اندر اس وصیت نامے کو قانونی حیثیت اختیار کر لینا چاہئے۔

ان حالات میں' میں مجبور ہوگیا۔ میں نے وہ وصیت نامہ ایک ڈاکٹر اور بیرسٹر لیلیٰ محسن کی موجودگی میں لکھا اور ان کے سامنے دستخط کئے اور اسے قانونی حیثیت دے دی۔

رشتہ داروں میں اعلان کر دیا کہ وصیت نامہ مرتب ہوچکا ہے۔ دستخط ہوچکے ہیں اور وہ بیرسٹر لیلیٰ محسن کے پاس موجود ہے۔ میری موت کے بعد اسے کھولا جائے گا اور پڑھ کر سنایا جائے گا۔

وصیت کے سلسلے میں جتنی بھی کارروائیاں کی گئیں' اس دوران خان اعظم خان میرے قریب رہا اور مطمئن ہوتا رہا کہ میں کسی قسم کا فراڈ نہیں کر رہا ہوں۔ اس کے بعد میرا داماد کرامت علی پھر مجھ پر مہربان ہوگیا اور پہلے کی طرح پھر میری عزت کرنے لگا لیکن میں جانتا تھا کہ اب میں کچھ دنوں کا مہمان ہوں۔ بار بار میرے تصور میں دلربا آتی تھی اور میں دیکھتا تھا کہ کس طرح اسے پانی کے ٹب میں ڈبو کر مارا گیا ہے اور اس کی موت کو طبعی موت ثابت کیا گیا ہے۔

میں چاہتا تھا کہ اپنے جرم کا اقرار کرلوں لیکن اولاد کے سامنے شرم آتی تھی۔ کامل جوان ہوچکا تھا وہ میرے متعلق جیسی بھی رائے قائم کرتا لیکن میں اس سے نظریں نہیں ملا سکتا تھا۔ اس کے سامنے کچھ بولنے سے پہلے ہی شرم سے مرجاتا۔

اگر آپ لوگ میری مسترد کی ہوئی وصیت کو غور سے پڑھیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ وصیت شروع سے آخر تک میرے داماد بیرسٹر کرامت علی خان کے حق میں ہے لیکن وہ ایسی ہیر پھیری سے لکھی گئی ہے کہ اس میں پانچ حصے دار نظر آتے ہیں۔ پانچوں کے ساتھ برابر کا انصاف کیا گیا ہے۔ پہلا حصے دار بیرسٹر کرامت علی خان' دوسری حصہ دار میری بیٹی ریحانہ' یوں دیکھا جائے تو ریحانہ کا سب کچھ کرامت علی کے لئے ہے۔ دولت' جائیداد اور اس کی وفاداری اور اس کا اعتماد کرامت علی خان نے اچھی طرح حاصل کرلیا تھا۔ تیسری حقدار میری بیٹی افسانہ اور چوتھا حصہ دار افسانہ کا ہونے والا شوہر لیکن میرا داماد کرامت علی خان اگر افسانہ کی شادی ہونے کا موقع ہی نہ لاتا اور افسانہ کو ہی ختم کر دیتا تب دو حصے رہ جاتے۔ پانچوا حصہ میرے بیٹے کامل سرفراز کا تھا لیکن اس کے لئے ایک شرط لگا دی گئی تھی کہ پہلے وہ پچاس ہزار روپے سے کاروبار کرکے باپ کی شرط کے مطابق ایک لاکھ کا منافع دکھائے۔ باپ کی زندگی میں وہ اسی بات سے ناراض ہوکر گیا تھا۔ اس لئے وصیت کی رو سے حصہ دار بننے کے لئے پہلے باپ کی اس شرط کو پورا کرنا ضروری

تھا۔

اسی طرح یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر میرا بیٹا کامل پچاس ہزار روپے لے کر جاتا تو اس روپے کو میرے اور میرے بیٹے کے دشمن کسی طرح ضائع کر دیتے یا اگر وہ بڑی محنت اور لگن سے ایک لاکھ کا منافع بھی حاصل کرتا تو اسے کسی نہ کسی طرح غلط قرار دیا جاسکتا تھا۔ اس طرح کامل کا پانچواں حصہ بھی اس طرح خالی رہ جاتا اور اس کے حق دار صرف میرے داماد کرامت علی خان اور میری بیٹی ریحانہ رہ جاتے۔

میں اپنی بیٹی ریحانہ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ کرامت علی خان کے کسی جرم کی شریک نہیں ہے۔ نہ ہی وہ کسی غلط بات کو برداشت کرسکتی ہے لیکن وہ اپنے شوہر سے اس قدر محبت کرتی ہے کہ اس کے خلاف کوئی بات سننا پسند نہیں کرے گی۔

میں کبھی سوچتا تھا کہ اپنے بیٹے کو اپنا ہمراز بنالوں اور اسے بتاؤں کہ میں کس خطرے سے دوچار ہوں اور کس طرح کسی وقت بھی قتل کیا جاسکتا ہوں لیکن میرا بیٹا گھر چھوڑ کر جا چکا تھا۔ میں نے اسے بہت تلاش کیا اور تلاش کرنے کے دوران سوچتا رہا کہ اسے کیا بتاؤں گا۔ اگر کرامت علی خان کو دشمن ظاہر کروں گا تو کیا وہ اور خان اعظم خان اسے نہیں بتائیں گے کہ میں اپنے ہی بیٹے کی ماں کا قاتل ہوں۔

ٹھیک ہے کہ میں جھوٹی قسمیں کھا سکتا تھا۔ اپنے بیٹے کے سامنے انکار کرسکتا تھا کہ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے لیکن بیٹا تھا کہاں؟ وہ تو کہیں گم ہوگیا تھا۔ تلاش بسیار کے باوجود مجھے نہ مل سکا۔

آخر میں نے یہی راستہ نکالا جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔ اس ویڈیو کیسٹ کو میں بنک کے لاکر میں رکھ دوں گا۔ ایک چابی بنک کے منیجر کے پاس رہے گی جو میرا دوست بھی ہے اور دوسری چابی میں ایک لاکٹ میں رکھنے کے بعد اسے مخصوص نمبروں کی ترتیب سے لاک کروں گا۔ ان مخصوص نمبروں کی ترتیب یہ ہے۔ نوہزار چھ سو پینسٹھ ۹۶۶۵۔ میری چھوٹی بیٹی افسانہ کا پیدائشی دن، مہینہ اور سال ہے اور یہ لاکٹ افسانہ کے گلے میں پہنایا جائے گا۔ اس کی ہدایت میں بیرسٹر لیلیٰ محسن کو کروں گا۔

میری لاش کا پوسٹ مارٹم کرنے کے بعد اگر یہ ثابت ہوگیا کہ میری موت طبعی

اور مجھے کسی سازش کے تحت قتل نہیں کیا گیا ہے تو پھر لیلیٰ محسن یہ لاکٹ افسانہ کو نہیں پہنائیں گی کیونکہ اس صورت میں مجھے اطمینان ہوگا کہ بیرسٹر کرامت علی خان جو میرا داماد ہے اور میری بیٹی ریحانہ کو واقعی دل و جان سے چاہتا ہے' وہ میری چھوٹی بیٹی افسانہ کو بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اگر اس نے مجھے نقصان پہنچایا تو پوسٹ مارٹم کے ذریعے یہ ثابت ہوجائے گا کہ اس کے بعد وہ لاکٹ بیرسٹر لیلیٰ محسن افسانہ کو پہنادیں گی۔

اس کا مقصد یہی ہے کہ اس لاکٹ میں جو چیز بند رہے گی اسے دیکھنے کے لئے قاتل یقیناً بے چین ہوگا اور یہ سمجھ لے گا کہ میں نے مرنے سے پہلے اپنے جرم کا اعتراف کیا ہے اور اپنے داماد کرامت علی خان اور خان اعظم خان کو بھی قاتلوں کی حیثیت سے بے نقاب کیا ہے لیکن کس طرح بے نقاب کیا ہے' یہ معلوم کرنے کے لئے وہ کبھی چین سے نہیں بیٹھ سکیں گے۔ اس لاکٹ کو کھولنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے اور یہی ان کی غلطی ہوگی۔

میں نہیں جانتا کہ میرے اس تفصیلی بیان کی روشنی میں بیرسٹر کرامت علی خان اور خان اعظم خان قاتل ثابت ہوسکیں گے یا نہیں لیکن میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں اپنی بیوی دلربا کا قاتل اس صورت میں ہوں کہ قتل میں نے نہیں کیا لیکن میں نے کرایا۔ قتل کرنے والے خان اعظم خان اور بیرسٹر کرامت علی خان ہیں۔

اس وقت جب کہ آپ مجھے دیکھ رہے ہیں اور میری آواز سن رہے ہیں۔ میں شاید قبر کے عذاب میں مبتلا ہوں اور کہیں میرے لئے یوم حساب آچکا ہے۔ مجھ سے میرے اعمال کا حساب لیا جارہا ہے۔ مجھ سے جواب طلبی ہو رہی ہے۔ میں گڑگڑا کر معافی مانگ رہا ہوں۔ میں کہتا ہوں۔ خدایا! مجھے ذرا سی مہلت دے۔ میں دنیا میں واپس جاؤں اور اپنی غلطیوں کی تلافی کروں۔

لوگو! مرنے کے بعد توبہ کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ گناہوں اور غلطیوں کی تلافی کا کوئی راستہ نہیں رہتا لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے' ذہانت دی ہے' یہ اسی ذہانت کا کرشمہ ہے کہ ایسی سائنسی ایجادات کے ذریعے ہم مرنے کے بعد بھی دنیا والوں کے سامنے اپنے اعمال کا حساب پیش کرنے کے لئے حاضر ہوسکتے ہیں اور میں حاضر

ہوں۔

جیسا کہ میں نے اعتراف کیا ہے۔ میری آئرن مل' میری بیگم دلربا کی رقم سے قائم کی گئی تھی۔ میرے پاس جتنی بھی دولت اور جائیداد ہے وہ سب دلربا کے ذریعے حاصل کی گئی ہے اور وہ سب کچھ دلربا کا تھا۔ اس لئے کامل سرفراز تمام دولت اور جائیداد کا حق دار ہے اور میری آئرن مل کا بھی واحد مالک ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بیرسٹر لیلیٰ محسن اس وصیت نامے کے سلسلے میں کامل کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے اس کے مقدمے کی پیروی کریں گی۔

اگر میرا داماد بیرسٹر کرامت علی خان اور میرا جنرل منیجر خان اعظم خان قانون کی گرفت میں نہ آسکیں اور وہ قاتل ثابت نہ ہوسکیں تو میں اپنی بڑی بیٹی سے درخواست کروں گا کہ اپنے گناہ گار باپ کی آخری بات پر یقین کرے اور اپنے شوہر کا ساتھ چھوڑ دے۔ میرے اس آخری بیان کے بعد وہ انتقاماً ریحانہ کا دشمن بن جائے گا اور کسی موقع پر اسے نقصان پہنچائے گا۔ میں جانتا ہوں کہ طلاق ایک بری لعنت ہے۔ ہر شریف زادی کو اس سے بچنا چاہئے لیکن عقل سمجھاتی ہے کہ ایک قاتل کے ساتھ گھریلو ازدواجی زندگی نہیں گزارنا چاہئے۔

اگر ریحانہ میری نصیحت پر عمل نہ کرے تو یہ اس کے نصیب ہیں۔ میں اپنے بیٹے کامل سرفراز سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنی چھوٹی بہن افسانہ کو اپنی پناہ میں لے اور کرامت علی خان سے دور رکھے اور دونوں میاں بیوی یعنی ریحانہ اور کرامت علی خان سے ہمیشہ کے لئے تعلقات ختم کرلے۔

سرفراز علی خان' ٹی وی اسکرین پر بولتے بولتے تھوڑی دیر کے لئے چپ ہوا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور کہا۔ "میں اپنے بیٹے کامل سرفراز کے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں۔ بیٹے! میں نے جو کچھ کیا اس غلطی کو' اس جرم کو معاف کردو۔ بے شک میں اپنی زندگی میں خاموش رہا اور قانون کی سزا سے بچتا رہا لیکن یہاں مرنے کے بعد قبر کے عذاب میں مبتلا ہوں۔ یہاں مجھے معافی نہیں مل سکتی۔ شاید سزا کے کسی مرحلے پر' عالم ارواح میں تمہاری ماں سے میری ملاقات ہوجائے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ تمہاری ماں

بھی مجھے معاف کردے گی۔ عورت کا دل کائنات کی طرح وسیع ہوتا ہے۔ تم بھی اس فراخ دل ماں کے بیٹے ہو تم مجھے معاف کردو گے تو شاید یہاں یوم حساب میں میرے جرم کا کچھ بوجھ ہلکا ہوجائے۔"

وہ اسکرین پر بولتا رہا۔ ہم اسے دیکھتے اور سنتے رہے حتیٰ کہ وہ ویڈیو کیسٹ رن آؤٹ ہوگیا۔ اسکرین پر پھر نیم تاریکی چھاگئی ہم سب وہاں گم صم بیٹھے ہوئے تھے۔ چند لمحوں کے لئے ہم میں سے کسی کو اتنا ہوش نہ رہا کہ کوئی وی سی آر کو آف کردیتا۔ آخر میں ہی اٹھ کر وہاں گیا۔ وی سی آر کو آف کرنے کے بعد جب میں نے لائٹ کو آن کیا تو سب چونک کر مجھے دیکھنے لگے جیسے نیند سے بیدار ہوئے ہوں یا کوئی بہت ہی تاثر انگیز سپنا دیکھتے رہے ہوں۔

لیلیٰ نے کہا۔ "قانون کے ہاتھ بیرسٹر کرامت علی خان کو گھسیٹ کر عدالت میں پہنچائیں گے اور ہماری کوشش یہی ہوگی کہ وہ اپنی سزا کو پہنچے۔"

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ "بے شک' ہماری کوشش یہی ہوگی لیکن وہ بیرسٹر کرامت علی خان بھی بلا کا مکار ہے۔ اپنے بچاؤ کی صورتیں نکال لے گا۔"

ایک اور افسر نے کہا۔ "مجھے تو یہ سوچ کر افسوس ہوتا ہے کہ ہم مقتول سرفراز علی خان کی اولاد کو یہ کیسٹ کس طرح دکھائیں۔ اگر دکھاتے ہیں تو کامل اپنے باپ کا ہی نہیں بلکہ اپنی دونوں بہنوں کا بھی دشمن بن جائے گا۔ وہ ماں کا انتقام لینا چاہے گا اس کے دل میں ان تمام رشتوں کے خلاف جو نفرت پیدا ہوگی' اس کے اندر سے جو لاوا ابلے گا' اس کا اندازہ ہم کسی حد تک کرسکتے ہیں۔"

پھر ہم سب اس موضوع پر بحث کرنے لگے۔ بحث طویل ہوتی گئی۔ آخر تمام لوگ ایک نکتہ پر متفق ہوگئے اور وہ یہ کہ ابھی کامل اور اس کی بہنوں کے سامنے اس ویڈیو کیسٹ کا ذکر نہ کیا جائے۔ پہلے بیرسٹر کرامت علی خان کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔

قانونی کارروائی شروع ہوگئی۔ بات عدالت تک پہنچ گئی بیرسٹر کرامت علی خان بڑا ہی شاطر تھا۔ وہ برسوں سے عدالت کے میدان میں قانون کے ہتھیاروں سے جائز اور

ناجائز جنگیں لڑتا آیا تھا۔ بیرسٹر لیلیٰ محسن اس پر قانون کی کاری ضربیں لگاتی رہی اور وہ مدافعت کرتا رہا۔ آخر عدالت نے فیصلہ سنایا۔ "مقتول سرفراز علی خان کے بیانات سے کرامت علی کے کردار پر روشنی ضرور پڑتی ہے۔ تاہم مقتول کا بیان کرامت علی اور خان اعظم خان کو قاتل ثابت نہیں کرتا۔ اس سلسلے میں کچھ اہم سوالات' جواب طلب رہ گئے ہیں اور ان سوالوں کا جواب دینے کے لئے مقتول واپس نہیں آسکتا۔

مثلاً مقتول اپنے بیان کے مطابق دلربا کے قتل کے وقت جائے واردات پر موجود نہیں تھا۔

مقتول کہتا ہے کہ کرامت علی اور خان اعظم خان نے دلربا کو پانی میں ڈبو کر قتل کرنے کی تفصیلی رپورٹ پیش کی تھی۔ مقتول غلط بیانی سے کام لے سکتا ہے۔

قتل سے پہلے ہی مقتول نے ویڈیو کیسٹ میں یہ بات اندازے سے کہی تھی کہ شاید اسے بھی قتل کیا جائے گا اور اس قتل پر طبعی موت کا گمان ہوگا۔ مقتول کی اس پیش گوئی کے باعث اس کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے پیش کیا گیا' وہ پیش گوئی درست ثابت ہوئی لیکن گواہوں کے بیان کے مطابق خان اعظم خان واردات کے دن تمام وقت اسٹیل مل میں اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔ مقتول کی دونوں بیٹیاں اس بات کی شاہد ہیں کہ کرامت علی واردات سے پہلے' اور بعد میں بھی اپنی شریک حیات کے ساتھ شاپنگ' بوننگ اور فنکشن میں مصروف رہا تھا۔"

قانون ایک مضبوط شکنجہ ہے مجرم گرفت میں آنے کے بعد اس شکنجہ سے نکل نہیں سکتا لیکن خود مجرم ہی قانون کی اونچ نیچ سے کھیلنا جانتا ہو تو کسی نہ کسی طرح اپنے بچاؤ کا راستہ نکال لیتا ہے۔ بیرسٹر کرامت علی نے خود کو اور اپنے ساتھی خان اعظم خان کو سزا سے بچالیا۔

لیلیٰ نے بھری عدالت میں کہا۔ "ہمارے ملک میں ڈاکو' اسمگلر اور قاتل پھلتے پھولتے جارہے ہیں۔ یہ محض اس لئے کہ ایسے مجرم قانون کے کچھ کمزور پہلوؤں سے کھیلنا سیکھ گئے ہیں۔ مگر میں نے مسٹر ابن شہاب کے تعاون سے ایسے مجرموں کے خلاف ایک محاذ بنایا ہے۔ انشاء اللہ ایک دن اسی عدالت میں دونوں مجرموں کو مکمل ٹھوس ثبوت کے ساتھ

پیش کروں گی۔"

وہ مقدمہ ختم ہوگیا لیکن مقتول سرفراز علی خان کی اولاد یہ مطالبہ کرتی رہی کہ ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ اسکرین پر ان کے باپ کو دکھایا جائے اور ان کے بیانات سنائے جائیں۔ مقدمے کے دوران انہیں بار بار ٹالنے کی کوششیں کی گئیں۔ ریحانہ یہ یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھی کہ اس کے باپ نے اپنے چہیتے داماد کو قاتل کہا ہے اور بیٹی کو شوہر سے قطع تعلق کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

کامل سرفراز نے کہا۔ "اگر وہ ویڈیو کیسٹ ہمارے سامنے پلے نہ کرایا گیا تو میں قانونی کارروائی کروں گا۔ ہم اپنے باپ کو دیکھنے اور ان کی باتیں سننے کا حق رکھتے ہیں۔"

آخر مجبور ہو کر ہم نے ایک پولیس آفیسر اور ان کے ماتحتوں کی موجودگی میں اس ویڈیو کیسٹ کو پلے کرایا' ریحانہ اور افسانہ' لیلیٰ کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں احتیاطاً کامل کے قریب بیٹھ گیا۔ پہلے تو وہ تینوں اپنے باپ کو اسکرین پر دیکھ کر رونے لگے۔ پھر جیسے جیسے باپ کی زبان حقائق کو بیان کرتی رہی وہ گم صم ہو کر سنتے رہے۔

وہ ویڈیو کیسٹ ختم ہوگیا۔ ٹی وی اور وی سی آر کو آف کر دیا گیا۔ کمرے کی لائٹ آف کر دی گئی اس روشنی میں ریحانہ کا سر جھکا ہوا تھا۔ افسانہ نے دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ لیا تھا اور کامل ساکت' بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا جیسے جسم سے جان نکل گئی ہو۔

چند لمحوں تک ہم اسے دیکھتے رہے پھر لیلیٰ نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ ہولے سے اس کے شانے پر رکھا۔ تب اس کے منہ سے ہلکی سی ہنسی کی آواز نکلی۔ بعض حالات میں ہنسی کا انداز خطرے کی گھنٹی جیسا ہوتا ہے۔ اس کی ہنسی تیز اور بلند ہونے لگی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ پولیس والے احتیاطاً ریحانہ اور افسانہ کے آگے ڈھال بن گئے تھے۔ مگر وہ قہقہے لگاتا ہوا کمرے کے ایک گوشے میں چلا گیا۔

وہاں ہنسی تھم گئی۔ اس نے پلٹ کر بڑے کرب سے پوچھا۔ "کیا میری امی کو مارنے والا میرا باپ تھا؟"

اس کا سوال چیخ میں بدل گیا۔ "یہ کیسی تقدیر ہے' جس نے میری ماں کے قاتل کے

نطفے سے مجھے پیدا کیا؟ میں اپنی جان پر کھیل جاؤں تو کیا میرے ساتھ یہ مکروہ اور زہریلی سچائی بھی مرجائے گی؟"

وہ تیزی سے چلتا ہوا ہمارے قریب آیا۔ میں نے کہا "کامل! یہی وقت مردانہ قوتِ برداشت اور صبر و تحمل کا ہے۔"

وہ چیخ کر بولا۔ "میں صبر کر رہا ہوں۔ مگر میرے اندر کے لاوے کو کون ٹھنڈا کرسکتا ہے۔ خدا کی قسم میں سوتیلی بہنوں سے انتقام نہیں لوں گا۔ مجھے بہنوں کی محبت اور ماں کی چھوڑی ہوئی دولت نہیں چاہئے۔ مجھے اپنی ماں کی چادر اور چار دیواری کا وہ حساب چاہئے جب میرے باپ کے اشارے پر قاتلوں نے ایک چادر والی کو پانی میں بے لباس ڈبویا تھا۔ پھر وہ دوسرا لباس پہنایا تھا۔ وہ بے حیائی کے لباس مجھے جینے نہیں دیں گے۔ نہیں جینے دیں گے۔ ہاہاہا.......... ہاہاہاہا۔"

وہ قہقہے لگانے لگا۔ اپنے کپڑے پھاڑ کر پاگلوں کی طرح قہقہے لگانے لگا۔ آپ شاید نہیں جانتے' پاگل اسے کہتے ہیں جو تہذیب کی لاش پر ماتم کرتے وقت رونے کی جگہ ہنستا ہے۔ (کہیں ہم سب کی ہنسی تو نہیں اڑاتا ہے۔)

ہم سب گم صم ہو کر کامل کا منہ تکتے رہے اس نے کیسی منہ زور بات کہی تھی۔ اس کی بات ہمارے دل پر پتھر کی طرح لگی تھی۔ بے شک جب قاتلوں نے اس کی ماں کو پانی میں ڈبو کر ہلاک کیا ہوگا تو اس کی بے لباسی بھی دیکھی ہوگی اور یہ ایک اتنی بڑی گالی تھی کہ جسے کوئی بیٹا برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

جب گالی برداشت نہ ہو تو آدمی کے سر پر خون سوار ہو جاتا ہے۔ وہ گالی دینے والے کو قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شریف آدمی ہو اور وہ کسی سے انتقام لینا نہ جانتا ہو تو بڑی بے بسی سے رونے لگتا ہے۔ کامل بزدل نہیں تھا۔ اتنا شریف بھی نہیں تھا کہ وہ گالی برداشت کرلیتا لیکن جب برداشت بھی نہ کرسکے اور انتقام بھی نہ لے سکے تو پھر تیسرا مرحلہ آتا ہے اور وہ ہوتا ہے دیوانگی کا۔ وہ دیوانہ وار قہقہے لگا رہا تھا اس لئے کہ انتقام لینے کا وقت گزر چکا تھا۔ جسے بے لباس ہونا تھا وہ تو بے چاری ہو چکی تھی۔ گالی ہمیشہ کے لئے بیٹے کے وجود سے چپک گئی تھی۔ اب دیوانہ وار قہقہے لگانے' اپنے کپڑے پھاڑنے

اور بالوں کو نوچنے کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔

اس نے دوسری بار اپنے کپڑے پھاڑنے چاہے تو میں نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں کو پکڑ لیا۔ دو سپاہی بھی آکر اسے دونوں طرف سے دبوچنے لگے۔ میں نے کہا۔ "کامل یہ دیوانگی اچھی نہیں ہے۔ صبر کرو ہم اس سے انتقام لیں گے۔ اسے اس کے جرم کی سزا ضرور ملے گی۔"

میں بول رہا تھا۔ وہ ہنس رہا تھا۔ گویا کہ میں لطیفے سنا رہا تھا۔ لطیفوں میں ہوتا کیا ہے۔ یہی کہ ایک کا مذاق اڑایا جاتا ہے' دوسرے کو ہنسایا جاتا ہے۔ یہاں بات کچھ عجیب سی تھی۔ کامل کا مذاق اڑا گیا تھا اور کامل خود اپنے آپ پر ہنس رہا تھا۔ میں نے دیکھا۔ لیلیٰ محسن اپنی جگہ سے اٹھ کر ریحانہ اور افسانہ کو دوسرے کمرے میں چلنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

وہ تینوں چلی گئیں۔ میں پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ کامل کو کس طرح قابو میں کروں۔ کس طرح اسے ٹھنڈا کیا جاسکتا ہے' اس کے دماغ سے غم و غصے کو نکالا جاسکتا ہے۔ میں اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ سپاہیوں نے اسے دبوچ کر ایک صوفے پر بٹھا دیا تھا۔ وہ اب بھی ہنس رہا تھا لیکن اس کی ہنسی میں مردنی تھی۔ وہ ہنستے ہنستے تھک گیا تھا۔ نڈھال ہو رہا تھا۔

پھر اچانک ہی مجھے کچھ یاد آیا۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر کامل کے سامنے فرش پر گھٹنے ٹیک دیئے اور کہا۔ "دیکھو کامل' تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ تمہاری امی کو پانی میں ڈبوتے وقت بے لباس کیا گیا تھا کیونکہ تمہارے ابو نے ویڈیو کیسٹ میں جو بیان دیا ہے' اس میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ انہیں بے لباس کیا گیا تھا۔" میں نے پھر اس کے پاس سے اٹھ کر کہا۔ "ٹھہرو' میں ابھی اس کیسٹ کو ریوائنڈ کرتا ہوں اور وہ حصہ دکھاتا ہوں جہاں تمہارے ابو نے یہ بیان دیا ہے۔"

میں تیزی سے چلتا ہوا وی۔ سی۔ آر کے پاس پہنچا اور اس میں لگے ہوئے ویڈیو کیسٹ کو ریوائنڈ کرنے لگا۔ کبھی کبھی میں اسے اسٹاپ کرتا تھا اور ٹی وی کے اسکرین پر دیکھتا تھا۔ جب یہ معلوم ہوتا کہ بیان کا وہ حصہ ابھی نہیں آیا ہے تو میں پھر ریوائنڈ کرنے لگتا تھا۔ بہرحال میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں اس کا باپ سرفراز علی خان' اس کی ماں دلربا

بیگم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ میں نے کامل کی طرف پلٹ کر کہا۔ "دیکھو' اب دوبارہ غور سے سنو' تمہارے ابو کیا کہہ رہے ہیں۔"

وہ چیخ کر بولا۔ "یہ میرا باپ نہیں ہے۔ میں اس کی صورت سے نفرت کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے' تم اس کی صورت نہ دیکھو' منہ پھیرلو لیکن اس کی باتیں سنو۔ تب تمہیں میری باتوں کی صداقت کا یقین آئے گا۔"

اس نے منہ پھیرلیا۔ میں نے آواز بڑھائی تو سرفراز علی خان اسکرین پر بولتا ہوا نظر آیا۔

سرفراز علی بول رہا تھا۔ "بہرحال ایک منصوبہ بنایا گیا۔ اس منصوبے کے مطابق ہمارے گھر میں ایک ملازمہ تھی اسے کوٹھی سے دور رکھنا ضروری تھا۔ ہم اس انتظار میں تھے کہ وہ کسی دن خود چھٹی لے کر جائے تو اسی دن قتل کے منصوبے پر عمل کیا جائے اگر میں اسے خود چھٹی دیتا تو یہ شبہہ کی بات ہوتی۔ آخر ایک دن اس نے کسی ضرورت سے چھٹی مانگی۔ میں نے کہا۔ تم اپنی بیگم صاحبہ سے اجازت لو' اس نے دلربا سے درخواست کی' دلربا نے اسے ایک دن کی چھٹی دے دی۔ اس روز میں دلربا سے یہ کہہ کر چلا گیا کہ آج آئرن مل میں بہت کام ہے شاید میں شام تک واپس نہ آسکوں۔ اس نے کہا۔ ٹھیک ہے میں خود ہی دوپہر کو آپ کے لئے کھانا لے کر آؤں گی' مگر وہ دوپہر نہ دیکھ سکی۔ جب وہ غسل کرنے کے لئے باتھ روم میں جانے سے پہلے اپنے بیڈ روم کا دروازہ بند کرنا چاہتی تھی تو اسی وقت آج کا بیرسٹر کرامت علی خان اپنے ایک آلہ کار خان اعظم خان کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اس نے دلربا کو خان اعظم خان کی مدد سے قابو میں کیا اور پانی سے بھرے ہوئے ٹب میں لے جاکر ڈبو دیا پھران دونوں نے اس وقت تک اسے پانی میں دبائے رکھا جب تک اس کا دم نہ نکل گیا۔"

یہاں میں نے وی سی آر کو اسٹاپ کر دیا۔ پھر کامل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سنو' غور سے سنو۔ تمہارے باپ نے ابھی کیا بیان دیا ہے' میں پھر سناتا ہوں۔"

میں نے تھوڑا سا ریوائنڈ کیا اور اسے آن کیا۔ پھر سرفراز خان بولتا ہوا نظر آیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اسی وقت آج کا بیرسٹر کرامت علی خان اپنے ایک آلہ کار خان اعظم خان

کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اس نے دلربا کو خان اعظم خان کی مدد سے قابو میں کیا اور پانی سے بھرے ہوئے ٹب میں لے جاکر ڈبو دیا۔ پھران دونوں نے اس وقت تک اسے پانی کے اندر دبائے رکھا جب تک اس کا دم نہ نکل گیا۔"

میں نے پھر وی۔ سی۔ آر کو اسٹاپ کرکے کہا۔ "دیکھو کامل' یہاں بیان بالکل واضح ہے کہ تمہاری ماں کو جب پانی میں ڈبویا گیا تو وہ بے لباس نہیں تھی۔ یہاں اس کی بے لباسی کا کوئی ذکر نہیں ہے' اسے لباس سمیت پانی میں ڈبویا گیا تھا اور یقیناً لباس کے ساتھ ہی پانی سے نکالا گیا ہوگا جب اس کے بدن کو' بالوں کو ہیئر ڈرائیر کے ذریعے سکھایا جارہا تھا تو یقیناً اسی ہیئر ڈرائیر کے ذریعے اس کے کپڑوں کو بھی سکھایا گیا ہوگا تم یہ بات اپنے دماغ سے نکال دو کہ یہ ایک بہت بڑی گالی ہے جسے ایک بیٹا تو کیا کوئی بھی شریف انسان برداشت نہیں کرسکتا اور یہ بات زبردستی تم اپنے دماغ میں ٹھونس رہے ہو۔" میں کہتا جارہا تھا اور اسے دیکھتا جارہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر گہری گہری سانسیں لے رہا تھا یقیناً اسے یقین آگیا تھا اور اب وہ پُرسکون ہورہا تھا میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا پھر اس کے ہاتھ پر آہستگی سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کامل اٹھو دوسرے کمرے میں تمہاری بہنیں تمہارا انتظار کررہی ہیں۔"

اس نے آہستگی سے آنکھیں کھول دیں۔ آہستگی سے بڑبڑایا۔ "بہنیں' کس کی بہنیں؟ میرا باپ کون ہے؟ میری کوئی بہن کیسے ہوسکتی ہے؟"

میں نے اس کے ہاتھ کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تم غصے میں باپ کے رشتے سے انکار کرسکتے ہو لیکن حقیقت بدل نہیں سکتی۔ اس بات کو یوں سمجھ لو کہ دنیا میں سبھی کے باپ شریف' نیک' ایماندار اور عبادت گزار نہیں ہوتے۔ کچھ لوگوں کے باپ بدکار ہوتے ہیں' قاتل ہوتے ہیں۔ اس بات کو اپنے دماغ سے چپکائے رکھو گے تو زندگی گزارنا محال ہوجائے گی۔ جب اپنے اندر کوئی کمزوری آجائے تو یہ سوچ کر صبر کرنا چاہئے کہ ایسی کمزوریاں دنیا میں دوسرے لوگوں کے اندر بھی ہیں۔ وہ حوصلے سے جی رہے ہیں اور باپ کی بدنامی کو اپنے اعمال کی نیک نامی سے بدلتے جارہے ہیں۔ کامل تم بھی ایسا ہی کروگے۔ یہ ثابت کردوگے کہ وہ دونوں تمہاری سوتیلی بہنیں نہیں ہیں۔ تم ثابت کردوگے کہ تھپڑ

کا جواب ضروری نہیں ہے کہ تھپڑ سے دیا جائے۔ تمہارے باپ نے تمہاری امی کو قتل کیا۔ تم اس کا انتقام اپنی بہنوں سے نہیں لو گے۔ انہیں بھرپور محبت دو گے۔ رہ گیا وہ مجرم کرامت علی تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے بہت ہی عبرت ناک سزا دلاؤں گا۔ میں تمہارے مجرم کی ذمے داری لیتا ہوں تم ان دو بہنوں کی ذمے داری لو۔"

کامل نے ایک گہری سانس لی۔ پھر آہستگی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور دھیرے دھیرے چلتا ہوا کمرے سے باہر جانے لگا۔ ہم سب اس کے پیچھے تھے۔ ریحانہ اور افسانہ دونوں بہنیں لیلیٰ محسن کی خواب گاہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ریحانہ ابھی تک آنچل میں منہ چھپائے رو رہی تھی اور افسانہ صوفے کی پشت سے کہنی ٹیک کر اس ہاتھ سے اپنے سر کو تھامے ہوئے تھی۔ دونوں ہی اپنے باپ کے اعمال پر اس قدر شرمندہ تھیں کہ اپنے اپنے منہ کو چھپائے بیٹھی تھیں۔

کامل کو دیکھتے ہی وہ دونوں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ریحانہ نے کہا۔ "اگر دنیا کا کوئی بھی سچے سے سچا اور ایماندار سے ایماندار آدمی یہ کہتا کہ میرا شوہر کوئی قاتل ہے تو میں کبھی یقین نہ کرتی لیکن ابو نے آخری وقت یہ بات کہی ہے اور زندگی کے آخری حصے میں انسان کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ پھر میرے باپ کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں یقین کرتی ہوں۔"

کامل نے بڑے کرب سے کہا۔ "آپا! سب سے پہلے تو ہمیں یہ تسلیم کرلینا چاہئے کہ ہم ایک قاتل باپ کی اولاد ہیں۔"

افسانہ کے دل سے ایک آہ نکلی' اس نے کہا۔ "ہاں بھائی جان' یہ ہمارے لئے بڑی ہی شرم ناک بات ہے لیکن ہم اب اس سے تاحیات پیچھا نہیں چھڑا سکیں گے۔"

میں نے کہا۔ "اگر دامن پر ایسا دھبہ لگ جائے جو ہماری خطاؤں سے نہ ہو بلکہ کسی دوسرے کی خطاؤں سے وہ دھبہ ہمیں ملے تو ہم اپنے اعمال سے اچھے کردار سے اس دھبے کو دھو سکتے ہیں۔"

کامل نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "مسٹر شاب! آپ کی انہی باتوں نے مجھے حوصلہ دیا ہے۔ میں مرد ہوں اور اپنی دونوں بہنوں کے ساتھ اس دھبے کو دور کروں گا۔ اب یہی

میری زندگی کا اہم مقصد ہوگا لیکن میں اس قاتل کا کیا کروں۔ جب میں سوچتا ہوں تو میرے اندر ایک عجیب سا طوفان اٹھنے لگتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "میں تم سے وعدہ کرچکا ہوں کہ تمہارے قاتل سے میں نمٹ لوں گا۔ تم ایک شریف آدمی ہو تم پر دو بہنوں کی ذمے داری ہے۔ تم صرف اپنی ذمے داریوں کو نبھاؤ۔"

ریحانہ نے لیلیٰ سے کہا۔ "کیا میں آپ کا فون استعمال کرسکتی ہوں۔ میں اسی وقت کرامت سے فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔"

میں نے ریحانہ سے کہا۔ "یہ فیصلہ کرامت کے روبہ رو ہونا چاہئے۔"

ریحانہ نے کہا۔ "میں ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔"

لیلیٰ نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "میں عورت ہوں اس بات کو سمجھتی ہوں۔ آخر ریحانہ نے اتنی زندگی کرامت کے ساتھ گزاری ہے۔ کچھ تو محبت ہوتی ہے' کچھ مروت ہوتی ہے روبہ رو وہ بات نہیں کہی جاسکتی جو فون پر کہی جاسکے گی۔"

کامل نے ریحانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپا' اس قاتل سے کیسی محبت؟ کیسی مروت؟ اگر آپ کا دل ادھر اٹکا ہوا ہے تو یہاں دو ٹوک فیصلہ کریں اور وہ وہاں چلی جائیں۔ میں نہیں روکوں گا۔"

ریحانہ نے ریسیور اٹھایا۔ نمبر ڈائل کئے پھر انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "ہیلو' کیا کرامت علی خان موجود ہیں؟" پھر وہ چپ ہوگئی' انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد پھر اس نے کہا۔ "ہاں' میں ریحانہ بول رہی ہوں آپ گھر میں موجود رہیں' میں ابھی آرہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے ریسیور رکھ دیا' اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ پھر بولی۔ "کامل' ابھی چلو۔ میں تمہارے سامنے ہی ان سے باتیں کروں گی۔"

تقریباً پینتالیس منٹ کے بعد ہم مقتول سرفراز علی کی کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں تھے۔ وہاں کرامت علی خان بھی موجود تھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ ریحانہ کے ساتھ ہم سب وہاں پہنچیں گے۔ کامل اسے غرا کر دیکھ رہا تھا۔ میں احتیاطاً کامل کے ساتھ تھا کہ کہیں

وہ اپنی ماں کے قاتل پر جھپٹ نہ پڑے۔

کرامت علی خان نے ریحانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم میری شریک حیات ہو' تم نے اس پورے مقدمے کی کارروائی اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ لیلیٰ محسن اور شہاب نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ مجھے قاتل ثابت کرسکیں لیکن میں بے گناہ تھا' بے گناہ ہوں اور کوئی مجھے مجرم ثابت نہیں کرسکے گا۔ پتہ نہیں' اب یہ لوگ کس طرح تمہیں بہکا رہے ہیں اور یہاں کس لئے تمہارے ساتھ آئے ہیں؟"

ریحانہ نے کہا۔ "کرامت! میں قانون کی زبان نہیں سمجھتی' صرف اپنے باپ کی زبان سمجھتی ہوں وہ باپ جس نے مجھے بچپن سے کھلایا پلایا' اپنی گود میں سلایا اور بھرپور پدرانہ محبت دی۔ وہ باپ جو تمہیں قاتل سمجھنے کے باوجود صرف میرے شوہر کی سلامتی کے لئے خاموش رہا' شاید یہ سوچ کر کہ تم دنیا والوں کے لئے قاتل ہوسکتے ہو' میرے اور میرے باپ کے لئے نہیں ہوسکتے لیکن تم نے صرف کامل کی امی ہی کو نہیں میرے والد کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ یہ بات میں اپنے باپ کی زبان سے سن چکی ہوں اور تم اس زبان کو جھٹلا نہیں سکتے۔"

"ہوسکتا ہے ریحانہ تمہارے ابو نے کسی مصلحت کی بنا پر جھوٹ کہہ دیا ہو۔ کاروبار میرے ہاتھ تھا اور انہیں شبہ تھا کہ میں ہیرا پھیری کر رہا ہوں لیکن وہ کھل کر میرے سامنے نہیں بولتے تھے شاید اسی وجہ سے انہوں نے مجھ پر اتنا بڑا الزام لگایا ہے۔"

ریحانہ نے آنکھیں بند کرکے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "بس کرو کرامت' میں کوئی نادان بچہ نہیں ہوں۔ اگر تم اپنی بے گناہی ثابت کرنا ہی چاہتے ہو تو کرتے رہو' میں انتظار کروں گی۔ مجھے تو چاہئے کہ میں فوراً ہی تم سے طلاق کا مطالبہ کروں لیکن میں تمہیں موقع دیتی ہوں' اپنی بے گناہی ثابت کرو۔ جب تک ثابت نہیں کرو گے' اس وقت تک ہم علیحدہ رہیں گے تم اس کوٹھی سے اپنا جتنا سامان سمیٹ کر لے جاسکتے ہو' لے جاؤ۔ ہم تمہیں نہیں روکیں گے۔"

لیلیٰ نے ایک فائل سے ایک کاغذ نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "شہاب! یہ کرامت علی خان کو پڑھنے کے لئے دو۔ اس کاغذ کی رو سے کرامت علی خان کل تک

آئرن مل کی چابیاں اور تمام حساب کتاب' کامل کے حوالے کردیں اگر یہ منظور نہ ہو تو اس سلسلے میں بھی قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔"

میں وہ کاغذ لے کر کرامت علی خان کے پاس پہنچا۔ اس نے کاغذ لیتے ہوئے کہا۔ "میں اس بات کو عدالت تک جانے نہیں دوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ بازی ہار چکا ہوں' اس لئے اس پر دستخط کرتا ہوں کل کسی بھی وقت کامل آکر حساب کتاب لے سکتا ہے اور چابیاں اس کے حوالے کردی جائیں گی۔"

وہ صوفوں کی درمیانی میز پر جھک کر اس کاغذ پر دستخط کرنے لگا' پھر اس نے کاغذ کو میرے حوالے کیا اور یہ کہتا ہوا ریحانہ کی خواب گاہ کی طرف جانے لگا کہ وہ اپنا ضروری سامان لے کر آرہا ہے۔ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ریحانہ نے ریسیور اٹھا کر سنا۔ پھر اس ریسیور کو میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ کا فون ہے۔"

میں نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو ابن شہاب۔"

دوسری طرف سے جمی کی آواز سنائی دی۔ "باس' میں سرفراز علی خان کی کوٹھی کے قریب ہی ایک بوتھ سے فون کر رہا ہوں۔ اگر میری ضرورت نہ ہو تو چھٹی کروں۔"

"نہیں' تم نے اچھے وقت پر فون کیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں کرامت علی خان اس کوٹھی سے نکلے گا۔ تم اس کا پیچھا کرو اور دیکھو کہ وہ یہاں سے نکلنے کے بعد اپنا ٹھکانہ کہاں بناتا ہے؟" میں کہتے کہتے رک گیا۔ مجھے مداخلت کا احساس ہوا تھا۔ میں نے کہا۔ "کرامت علی! تم نے ریحانہ کی خواب گاہ کا ریسیور اٹھایا ہے' اسے واپس رکھ دو۔ چوری چھپے دوسروں کی باتیں سننا شریفوں کا شیوا نہیں ہے۔" دوسرے ہی لمحے مجھے پتہ چل گیا کہ اب لائن کلیئر ہے۔ میں نے جمی سے کہا۔ "بس اتنا ہی کافی ہے۔ باقی باتیں روبہ رو ہوں گی۔ میں لیلیٰ کی کوٹھی میں رہوں گا۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد کرامت علی اپنا ایک بڑا سا سوٹ کیس لے کر ریحانہ کی خواب گاہ سے باہر آیا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر وہ نظریں جھکائے ہوئے تھا کیونکہ فون پر میں نے اس کی چوری پکڑلی تھی۔ اسے سوٹ کیس اٹھا کر جاتے دیکھا تو ریحانہ یک بیک رونے لگی۔ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا۔ آخر بیوی تھی برسوں اس کے

ساتھ دن اور رات گزارے تھے اس سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔ زندگی کے اس موڑ پر اچانک ہی اس سے جدا ہو رہی تھی۔ اس کا رونا بے اختیاری تھا۔

کرامت علی چلا گیا۔ ہم تھوڑی دیر تک خاموش رہے' پھر میں نے ریحانہ سے کہا۔ "میں کرامت کے سلسلے میں آپ سے کچھ ضروری سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے جواب آپ ہی دے سکتی ہیں؟" ریحانہ اپنے آنچل سے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔ میں نے پوچھا۔ "کیا کرامت کا کوئی رشتہ دار ہے؟" ریحانہ نے انکار میں سرہلایا میں نے پوچھا۔ "کوئی سگا نہ ہو دور کا رشتے دار تو ہوسکتا ہے۔"

وہ بولی۔ "میں نے آج تک کسی دور کے رشتے دار کو بھی نہیں دیکھا۔ جب سے شادی ہوئی ہے' میں نے ان کے والد رحمت علی خان کو دیکھا تھا۔ اس کے بعد.........."

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ کچھ سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ "ہاں شادی کے بعد میں تقریباً پانچ یا چھ بار ایک بوڑھی خاتون سے مل چکی ہوں۔ کرامت اس خاتون کو ممی کہتے ہیں۔ مجھے بتایا ہے کہ وہ ان کے کسی دوست کی والدہ ہیں۔ وہ دوست مرچکا ہے۔ اس لئے وہ ماں کی طرح اس کا احترام کرتے ہیں' اسی لئے مجھے بھی ان سے ملایا تھا اور سمجھایا تھا کہ میں بھی ایک ماں کی طرح ان کی عزت کروں۔"

میں نے پوچھا۔ "وہ خاتون کہاں رہتی ہیں؟"

ریحانہ ان کا پتہ بتانے لگی' میں نے پوچھا۔

"ان کا نام کیا ہے؟"

اس نے کچھ سوچ کر کہا۔ "نام تو میں نے پوچھا نہیں تھا' نہ ہی کرامت نے کبھی مجھے بتایا۔"

"آپ کسی اور ایسے دوست کا نام بتائیں جس سے کرامت کی بہت زیادہ بے تکلفی رہی ہو وہ اور آپ بھی اس شخص کی فیملی میں گھل مل گئی ہوں۔"

ریحانہ نے انکار میں سرہلا کر کہا۔ "کرامت بہت ہی ریزرو رہنے والے آدمی ہیں۔ وہ کسی سے دوستی نہیں کرتے۔ دور و نزدیک کے دوست احباب بھی کسی کام سے آئیں اور وہ کام قانونی طرز کا ہو تو ان سے اپنی فیس رکھوا لیتے ہیں وہ اصول کے بڑے پابند

ہیں۔"

میں نے کامل سے کہا۔ "اب ہم جا رہے ہیں' پھر ملاقات کریں گے۔ اب یہ گھر تمہارا ہے۔ اپنی بہنوں کے ساتھ یہاں سکون سے رہو ہم تمہارے دشمن سے نمٹ رہے ہیں۔"

انہیں سمجھانے کے بعد میں لیلیٰ کے ساتھ باہر پورچ میں آیا' ہم گاڑی میں بیٹھ گئے۔ میں نے اسٹیرنگ سیٹ سنبھالی' پھر ڈرائیونگ کرتے ہوئے مین روڈ پر آ گیا۔ میں نے کامل کو یہ کہہ کر تسلی دی تھی کہ اس کی امی کو پانی میں ڈبوتے وقت بے لباس نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے لئے میں نے اسے اس کے باپ کا وہ بیان دوبارہ اور سہ بارہ سنا دیا تھا لیکن میرا دل کہتا تھا کہ بات وہی ہوئی ہے جو کامل کے دماغ میں چبھتی رہی ہے۔

بات یہ بھی ہوسکتی ہے کہ سرفراز علی خان نے ویڈیو کیسٹ کے ذریعے اپنا بیان دیتے وقت یہ بات تفصیل سے بتائی ہو کہ کس طرح دلربا بیگم کو پانی میں ڈبو دیا گیا تھا اگر کپڑوں کے ساتھ ڈبو دیا گیا تھا تو بعد میں وہ کپڑے یقیناً اتارے گئے ہوں گے کیونکہ ہیئر ڈرائیر کے ذریعے بالوں کو اور جسم کو جلد ہی خشک کیا جاسکتا ہے لیکن گیلے کپڑوں کو نچوڑے بغیر جلدی خشک کرنا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا قاتلوں نے اس گیلے لباس کو کہیں چھپا دیا ہوگا اور دوسرا خشک لباس پہنا دیا ہوگا۔

میں سوچتے سوچتے چونک گیا۔ لیلیٰ میرے پاس بیٹھی ہوئی پوچھ رہی تھی۔ "یہ تم کہا کھوئے ہوئے ہو؟"

میں نے اسے بتایا کہ میں نے کامل کو کس طرح سمجھایا ہے اور اس کے دماغ سے وہ بے لباس ہونے والی بات نکال دی ہے۔

لیلیٰ نے ساری باتیں سننے کے بعد کہا۔ "یہ تم نے بہت اچھا کیا' ورنہ وہ نوجوان آپ ہی آپ غصے میں جلتا بھنتا رہتا اور اندر ہی اندر بیمار پڑ جاتا' نفسیاتی مریض بن جاتا۔ مجھے تو ڈر تھا کہ کہیں پاگل نہ ہوجائے۔"

میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "وہ تو نہیں ہوا۔ شاید میں پاگل ہوجاؤں۔"

وہ چونک کر بولی۔ "یہ کیا بات ہوئی؟ اب تم پر پاگل پن کا دورہ کس طرح پڑ رہا

ہے؟"

"اس طرح کہ میں بھی ایک انسان ہوں' مجھے بھی کسی ماں نے جنم دیا ہے۔ ایک ماں کی اس طرح توہین کرنا' ایسی بات ہے کہ کوئی بھی اسے برداشت نہیں کرسکتا۔ پھر میں کیسے برداشت کروں گا۔ اسے ایسی موت ماروں گا کہ............"

لیلیٰ نے بات کاٹ کر کہا۔ "دیکھو' ہم اسے کسی نہ کسی طرح گھیر کر قانون کے حوالے کردیں گے۔ اس کا جرم ثابت کریں گے۔"

"لیلیٰ! تم اپنے طور پر اپنی تمام صلاحیتوں کو آزما چکی ہو۔ وہ مکار تمہارے جال میں نہیں پھنس سکا۔ قانون کے ہاتھوں سے بچ کر نکل گیا۔ ہم اور تم اسی لئے ایک ہوئے ہیں کہ جہاں تم قانون کے ہاتھوں کسی کو سزا نہ دلا سکو' وہاں میں اسے سزا دوں۔ لہٰذا اب کرامت علی خان میرا مجرم ہے۔ میں اسے سزا دوں گا۔"

"تو پھر ابھی اتنی دیر تک سوچ میں کیوں ڈوبے ہوئے تھے؟"

"اب نہیں سوچوں گا کوئی دوسری بات کرو۔"

"دوسری بات یہ کہ شام کا اندھیرا پھیل رہا ہے اور ابھی تک ہم نے شام کی چائے نہیں پی ہے۔"

میں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ اس کے ہاتھوں کی چائے پی کر کبھی میں اس کو کبھی چائے کو دیکھتا تھا' مٹھاس کس میں ہے؟

☆======☆======☆

دوسرے دن ہم ایک ساحلی ریستوران میں بیٹھے ہوئے تھے۔ لیلیٰ نے پوچھا۔ "صرف چائے پیو گے یا کچھ کھاؤ گے بھی؟"

"پہلے صرف چائے پئیں گے۔ اس کے بعد ساحل پر کچھ دیر تک ٹہلتے رہیں گے۔ جب اچھی طرح بھوک لگے گی تو یہاں آکر کھائیں گے۔"

ایسا کہتے وقت میں میری نظر ریستوران کے دروازے پر گئی۔ وہاں مجھے خان اعظم خان نظر آیا۔ وہ ریستوران کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نظریں دوڑا رہا تھا۔ جیسے کسی کی تلاش ہو۔ میں نے فوراً ہی اس پر سے نظریں ہٹالیں۔ میں سمجھ گیا کہ وہ ہمیں تلاش کر رہا ہے۔ یقیناً وہ ہمارا پیچھا کرتا ہوا آیا تھا اور اب وہاں ہمیں ڈھونڈ رہا تھا۔

میں نے میز پر جھک کر لیلیٰ کے قریب ہوتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ "سرفراز آئرن مل کا جنرل منیجر اور کرامت علی خان کا دست راست خان اعظم خان ہمارا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آیا ہے۔"

لیلیٰ نے پوچھا۔ "کہاں؟" یہ کہتے ہوئے وہ اِدھر اُدھر دیکھنا چاہتی تھی۔

میں نے کہا۔ "بس میری طرف دیکھتی رہو' ابھی اُدھر نہ دیکھنا۔" اسے تاکید کرنے کے بعد میں نے ذرا نظریں اِدھر اُدھر دوڑائیں' اس انداز میں کہ خان اعظم خان مجھ پر شبہ نہ کرسکے۔ اس وقت وہ ایک خالی میز کے پاس کرسی پر بیٹھ رہا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ اس نے ہم کو دیکھ لیا ہے اور اب ہم پر نظر رکھنے کے لئے وہاں بیٹھ رہا ہے۔

لیلیٰ نے پوچھا۔ "یہ ہمارا پیچھا کیوں کر رہا ہے؟"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آؤ ہم اس سے پوچھیں۔"

لیلیٰ نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ کیا بات ہوئی تم دشمن سے پوچھو گے اور وہ کیا تمہیں سچ بتادے گا؟"

"آؤ تو۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ پھر ہم تیزی سے چلتے ہوئے خان اعظم خان کی طرف جانے لگے۔ اس نے ہمیں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو ایک ذرا سا بوکھلا گیا۔ پھر دانت نکال کر مسکرانے لگا۔ ہم اس کی میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ اس نے کہا۔ "عجیب اتفاق ہے۔ آپ لوگ بھی یہاں آئے ہوئے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "اتفاق نہیں' تم ہمارے پیچھے پیچھے آئے ہو' اس لئے ہم نے سوچا کہ کیوں نہ تمہارے ہی ساتھ چائے پی جائے۔"

"ہاں ہاں ضرور۔" اس نے ویٹر کو بلا کر چائے کا آرڈر دیا۔

لیلیٰ نے میری طرف دیکھا۔ پھر خان اعظم خان سے کہا۔ "مقدمہ کرامت علی کے حق میں ختم ہوچکا ہے۔ وہ یہ کیس جیت چکا ہے' پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تم ہمارا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟"

"بات اصل میں یہ ہے کہ........."

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "دیکھو' اگر ہمارا تعاقب کرنے کا مقصد ہمیں جسمانی یا جانی نقصان پہنچانا ہے تو میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکو گے۔ اس لئے کہ میں اپنے محافظ اپنے آس پاس لے کر چلتا ہوں۔ وہ تمہیں اپنی نظروں میں رکھے ہوئے ہیں۔"

اس نے جلدی سے کہا۔ "نہیں' شہاب صاحب! آپ کیا فرما رہے ہیں۔ میری کیا جرأت ہے کہ میں آپ لوگوں کو جانی نقصان پہنچاؤں۔ میں تو آپ لوگوں سے کہیں تنہائی میں مل بیٹھنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔ بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ ضروری بات کیا ہے؟"

"ہمارے کرامت علی خان صاحب آپ دونوں سے سابقہ تعلقات بحال کرنا چاہتے ہیں۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "بھئی مقدمہ تم لوگ جیت چکے ہو' اب ایسی کون سی بات رہ گئی ہے کہ ہمارے ساتھ اچھے تعلقات کی توقع کی جارہی ہے۔"

"دیکھیں' مقدمے کی بات تو ایک طرف ہے۔ آخر ہم انسان ہیں ہم جانوروں کی طرح ہمیشہ ایک دوسرے کو سینگ نہیں مارسکتے۔ انسانوں کی طرح دوست بن کر رہ سکتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "اصل مطلب بیان کرو۔"

"میں یہی کہہ رہا ہوں کہ کرامت علی خان صاحب آپ سے دوستی کرنا چاہتے ہیں' انہوں نے پوچھا ہے کہ کیا ایسی کوئی صورت ہوسکتی ہے کہ وہ اور آپ یعنی کہ مسز لیلیٰ محسن ایک ہوجائیں اور جب دو بیرسٹر ایک ہوجائیں گے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت قانونی طور پر ہمیں کمزور نہیں کرسکے گی۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "میں سمجھ گیا۔ کرامت علی خان کروڑوں کی جائیداد سے محروم نہیں رہنا چاہتا یقیناً وہ پہلے کی طرح اپنے مقتول سسر کی جائیداد پر قبضہ جمانا چاہتا ہے اور اس کے لئے لیلیٰ محسن کے تعاون کی ضرورت ہے۔"

خان اعظم خان نے کہا۔ "آپ نے بالکل درست سمجھا ہے۔ اگر آپ لوگوں کا تعاون رہا تو بگڑی ہوئی بات بن سکتی ہے' دیکھئے نا' یہ بھی ایک نیکی کا کام ہے کہ کرامت صاحب اور ریحانہ صاحبہ جیسے میاں بیوی کو جدا ہونے سے بچالیا جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے درمیان طلاق ہوجائے۔"

میں نے پوچھا۔ "اس نیکی کا معاوضہ ہمیں کیا ملے گا؟"

اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔ "جو مانگو وہ ملے گا۔ لاکھوں روپے کی صورت میں یا پھر........"

لیلیٰ نے مجھے گھور کر دیکھا۔ "پہلے بات سمجھنے دو تم ہمیشہ پہلے اپنے معاوضے کو بیچ میں لے آتے ہو۔" یہ کہہ کر اس نے خان اعظم خان سے پوچھا۔ "یہ بتاؤ کہ میرے تعاون سے کرامت علی خان کو دوبارہ اس جائیداد میں کیسے حصہ مل سکتا ہے؟"

اس نے میز پر جھک کر آہستگی سے کہا۔ "بڑی آسانی سے' دیکھئے وہ ویڈیو کیسٹ جس

میں مقتول سرفراز علی خان کا بیان موجود ہے' وہ لاکر میں رہتا ہے۔ اس کی چابی آپ کے پاس ہے' دوسری چابی بنک کے منیجر کے پاس ہے۔ آپ جب چاہیں وہ وڈیو کیسٹ نکلوا سکتی ہیں۔ ایک بار وہ وڈیو کیسٹ باہر آجائے تو ہم اس کی ڈپلی کیٹ تیار کرلیں گے۔ اس کی ری ریکارڈنگ کریں گے۔ ری ریکارڈنگ کے وقت مقتول سرفراز کی آواز سے ملتی جلتی دوسری آواز ریکارڈ کی جائے گی یعنی مقتول سرفراز علی کے ہونٹ اسکرین پر ہلتے ہوئے نظر آئیں گے لیکن آواز دوسرے کی ہوگی اور ان ہلتے ہوئے ہونٹوں کے عین مطابق ہوگی اور جو آواز ہم اس میں بھریں گے وہ ہمارے مفاد کے مطابق ہوگی۔"

ہم دونوں خان اعظم کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے ہماری سمجھ میں کچھ آرہا ہو اور کچھ نہ آرہا ہو۔

اس نے کہا۔ "دیکھئے میں ذرا وضاحت سے سمجھاتا ہوں۔ مقتول سرفراز علی نے اس وڈیو کیسٹ میں جگہ جگہ یہ بات کہی ہے کہ پہلا وصیت نامہ منسوخ کیا جارہا ہے تو وہ آواز نکال دی جائے گی۔ اس جگہ کوئی ایسی بات رکھی جائے گی کہ بات بن جائے۔ اسی طرح جہاں کامل کو پوری جائیداد کا مالک بنایا گیا ہے وہاں بھی ہم بہت سی باتیں تبدیل کردیں گے جو کامل کے مفاد میں نہیں ہوں گی اس کے خلاف بھی نہیں ہوں گی' اسے بھی جائیداد میں حصہ ملے گا مگر وہی پہلی وصیت کے مطابق اسے پانچواں حصہ ملے گا۔"

لیلیٰ نے پوچھا۔ "کیا اس میں سے یہ آواز بھی بدل دی جائے گی کہ کرامت علی' دلربا بیگم کا قاتل ہے؟"

"نہیں' قتل کا مقدمہ تو ایک عرصہ تک چلتا رہا ہے اس آواز کو بدلنا حماقت ہوگی۔ لیلیٰ صاحبہ آپ مقدمہ ہار گئی ہیں' اس لئے بظاہر آپ کرامت صاحب کی دشمن بنی رہیں گی لیکن درپردہ ہمارے ساتھ تعاون کریں گی۔"

"لیکن وہ وڈیو کیسٹ عدالت میں دیکھا گیا ہے۔ جج سے لے کر حاضرین عدالت تک نے اس کی آواز سنی ہے؟"

"بے شک آوازیں سنی ہیں لیکن عدالت میں وہ آوازیں ریکارڈ کرکے نہیں رکھی گئی ہیں۔ مجھے کرامت علی خان نے بتایا ہے کہ مقتول سرفراز علی خان کا بیان حرف بحرف

قلم بند نہیں کیا گیا ہے اور جہاں بھی وہ قلم بند کیا گیا ہے وہاں سے وہ کاغذات آسانی سے غائب کئے جاسکتے ہیں۔ وہ باتیں آپ ہم پر چھوڑ دیں۔ مسئلہ اس وڈیو کیسٹ کو بنک کے لاکر سے نکالنا ہے اور یہ کام آپ ہی کرسکتی ہیں۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "یعنی وہ کیسٹ میں بنک کے لاکر سے نکال کر لاؤں اور اس بات کی ملزمہ ٹھہرائی جاؤں کہ میں نے اس کیسٹ کی آواز کو بدل دیا ہے۔"

میں نے کہا۔ "ہم کرامت علی خان سے ایک عرصے تک مقدمہ لڑتے رہے ہیں' ہم میں دشمنی رہی ہے' ہم ایک دشمن پر کیسے بھروسہ کرسکتے ہیں۔ وہ کسی وقت بھی ہمارے ان اقدامات کے خلاف کارروائی کرسکتا ہے۔"

ویٹر چائے لے کر آگیا۔ خان اعظم کچھ کہتے کہتے رہ گیا۔ جب وہ چائے کی ٹرے رکھ کر واپس چلا گیا تو اس نے کہا۔ "آپ دونوں ایک بار کرامت صاحب سے ملاقات کرلیں کوئی وقت مقرر کردیں تو وہی آپ کو ہر طرح سے مطمئن کریں گے۔"

میں نے لیلیٰ کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "اس وقت سات بجے ہیں۔ ہم گیارہ بجے رات کو ملاقات کرسکتے ہیں اور یہ ملاقات میری کوٹھی میں ہوگی۔"

خان اعظم نے کہا۔ "دیکھئے آپ کی جگہ ہوگی تو ہمیں شبہ ہوگا کہ آپ ہماری آواز ریکارڈ کریں گے یا کسی اور طرح سے ٹریپ کریں گے۔ اسی طرح اگر ہماری جگہ پر ملاقات ہوگی تو آپ کو ہم پر شبہ ہوگا کہ ہم کسی طرح آپ کو ٹریپ کریں گے۔ لہٰذا کسی تیسری جگہ ملاقات کرنی چاہئے اور وہ جگہ بالکل کھلی ہوئی ہو' ویران ہو' وہاں کسی قسم کا جال بچھانے کا شبہ نہ ہو۔ وہاں ہمارے کچھ آدمی رہیں' تمہارے کچھ آدمی رہیں لیکن یہ آدمی ہم سے بہت دور رہیں گے۔ بات صرف آپ دونوں اور کرامت علی صاحب کے درمیان طے پائے گی۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "بات معقول ہے ہم اتنی جلدی فیصلہ نہیں کرسکتے کہ وہ تیسری جگہ کون سی ہوگی۔ کرامت علی سے کہو کہ لیلیٰ محسن کل دوپہر کو عدالت سے واپس آئیں گی تو ان کی کوٹھی کے فون نمبر پر رابطہ قائم کریں اور ہم کسی جگہ کا تعین

کرلیں گے۔"

اس دوران ہم چائے پیتے رہے تھے۔ چائے ختم ہونے کے بعد میں لیلیٰ کے ساتھ اٹھ گیا' پھر ریستوران کے باہر ایک ٹیلی فون بوتھ میں آیا' وہاں سے لیلیٰ کی کوٹھی کے نمبر ڈائل کئے تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے جمی کی آواز سنائی دی۔ میں نے اس کی کارکردگی کے متعلق پوچھا۔ پھر ریسیور رکھ کر لیلیٰ سے کہا۔ "کرامت علی خان اپنی بیوی ریحانہ کو جس بوڑھی عورت سے ملایا کرتا تھا اور ریحانہ نے اس بوڑھی عوت کا جو پتہ بتایا تھا جمی بھی وہی پتہ بتا رہا ہے۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے آہستہ آہستہ اپنی کار کی طرف جانے لگے۔ میں نے لیلیٰ کو بتایا کہ جمی اس بوڑھی عورت کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے والا ہے۔

ہم کار کے قریب آئے' میں نے چابی سے اگلا دروازہ کھولا' پھر دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا۔ لیلیٰ میرے برابر آکر بیٹھ گئی۔ ہم نے دروازے بند کئے پھر میں نے کار کو اسٹارٹ کیا اسی وقت میری گردن پر ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ میں سمجھ گیا ریوالور یا پستول کی نال میری گردن سے لگی ہوئی تھی۔ میں نے کن انکھیوں سے لیلیٰ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی سہمی ہوئی بیٹھی تھی' پھر پچھلی سیٹ سے آواز سنائی دی۔ "گاڑی تم چلاؤ' راستہ ہم بتائیں گے۔"

مین نے حکم کی تعمیل کی۔ گاڑی آگے بڑھا دی' پیچھے سے کہا گیا۔ "اسی طرح ساحلی راستے پر چلتے جاؤ۔ ہم جہاں کہیں گے وہاں گاڑی روک دینا۔"

میں آہستہ آہستہ ڈرائیو کرنے لگا۔ گاڑی آگے بڑھتی رہی' ایک طرف سمندر تھا۔ دوسری طرف شہر۔ سمندر سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آرہی تھیں' راستہ آگے سنسان ہوتا جارہا تھا۔ کمبخت خان اعظم نے آپس میں سمجھوتہ کرنے کے بہانے محض اس لئے ہمیں ریستوران میں روک رکھا تھا کہ اس کے آدمی ہماری کار کی پچھلی سیٹ پر اپنی جگہ بنا سکیں۔ بہرحال مجھے ایک جگہ کار روکنے کا حکم دیا گیا۔ وہاں ایک ویگن کھڑی ہوئی نظر آئی۔ پیچھے سے کہا گیا۔ "اپنی گاڑی اس گاڑی کے پیچھے لے جاکر کھڑی کردو۔"

میں نے حکم کی تعمیل کی۔ اپنی کار کو اس ویگن کے پیچھے لے جاکر کھڑا کیا تو ہیڈ

لائٹس کی روشنی میں کرامت علی خان سامنے کھڑا ہوا نظر آیا۔ وہ ہماری طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ ہم کار سے باہر آگئے۔ ریوالور والے بھی پچھلی سیٹ سے نکل آئے تھے' ان کے علاوہ وہاں اور بھی چار مسلح شخص نظر آرہے تھے دو آدمیوں نے آگے بڑھ کر میری تلاشی لی۔ میرے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا' کرامت علی خان نے آگے بڑھ کر لیلیٰ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم اس پرائیویٹ جاسوس پر عاشق ہوگئی ہو' لہٰذا میں نے سوچا کیوں نہ تمہارے عشق سے فائدہ اٹھایا جائے۔"

لیلیٰ نے غصے سے کہا۔ "بکواس مت کرو تم نے ہمیں یہاں اس طرح کیوں گھیر لیا ہے۔"

"کوئی نیک مقصد نہیں ہے۔ بس تمہارا یہ محبوب ہماری حراست میں رہے گا۔ ہم اسے ایسی جگہ قید کرکے رکھیں گے کہ لیلیٰ کی روح بھی اپنے مجنوں کو تلاش نہیں کرسکے گی۔"

میں نے پوچھا۔ "مجھے قید کرنے کا فائدہ کیا ہوگا؟"

اس نے قہقہہ لگانے کے بعد کہا۔ "وہی فائدہ جس کے متعلق ریستوران میں خان اعظم بکواس کررہا تھا۔ تم ہمارے پاس بطور یرغمال رہوگے اور لیلیٰ کل صبح نو بجے وہ وڈیو کیسٹ بنک کے لاکر سے نکال کرلائے گی۔"

وہ پاؤں پٹخ کر بولی۔ "میں نہیں لاؤں گی۔"

کرامت علی نے پھر قہقہہ لگایا۔ اس کے بعد کہا۔ "تم ضرور لاؤ گی ورنہ تمہیں شہاب کی لاش ملے گی۔"

اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ گھبرا کر کبھی مجھے اور کبھی کرامت علی کو دیکھنے لگی۔ اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "لیلیٰ غور سے سنو۔ جب تم نو بجے کے بعد وہ وڈیو کیسٹ ہمارے حوالے کردو گی تو ہم کوشش کریں گے کہ جلد از جلد اس کی دوسری کاپی تیار کرکے نقلی وڈیو کیسٹ لاکر میں تمہارے ذریعے رکھوا دیں۔ اگر دیر ہوجائے گی تو تم اسے دوسرے دن لاکر میں رکھ سکتی ہو۔ بہرحال جب تک ہمارا کام مکمل نہیں ہوگا۔ اس وقت تک شہاب ہماری قید میں رہے گا اور تم ہمارے حکم کے مطابق عمل کرتی رہو گی۔ اگر ذرا بھی

چالاکی دکھاؤ گی تو............"

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اپنے آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔ اچانک ہی میرے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ کسی نے پیچھے سے زبردست ضرب لگائی تھی۔ میں دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر نیچے جھکنے لگا۔ مجھے ڈوبتے ہوئے ذہن سے اس کی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "دیکھو' لیلیٰ یہ ایک نمونہ ہے ہم نے اسے بے ہوش کیا ہے۔ ہم اسے قتل بھی کرسکتے ہیں۔"

اس کے آگے میں کچھ نہ سن سکا۔ میرا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔ عارضی طور پر میرا رشتہ میرے ہوش وحواس سے ٹوٹ چکا تھا۔

☆------☆------☆

جب مجھے ہوش آیا اور میرے احساسات بیدار ہونے لگے تو سب سے پہلا احساس مجھے اپنے سر کی چوٹ کا تھا۔ میرے سر کا پچھلا حصہ پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ کمبختوں نے ذرا بھی رعایت نہیں کی تھی۔ پتہ نہیں کتنے برسوں کی دشمنی نکالی تھی۔ میں تکلیف سے کراہنے لگا۔

وہ ایک بند کمرہ تھا۔ جس کے ننگے فرش پر میں اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دروازہ کھلتا ہوا نظر آیا۔ پھر دو پاؤں نظر آئے۔ میں نے بڑی مشکل سے سر کو اٹھا کر دیکھا تو کرامت علی خان دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کھڑا تھا۔ پھر وہ میرے قریب آنے لگا۔ اس کے جوتے ننگے فرش پر بج رہے تھے' اس نے کہا۔ "میں نے لیلیٰ سے وعدہ کیا ہے کہ دن میں دو بار تمہاری آواز ٹیلیفون کے ذریعے اسے سنائی جائے گی تاکہ اسے اس بات کا یقین رہے کہ ہم نے تمہیں زندہ رکھا ہے' لیکن اسے ٹیلیفون پر تمہاری آواز کہاں سنائی دے گی' اس جگہ کا تعین ہم کیا کریں گے تاکہ یہاں کا فون نمبر ٹریپ نہ کیا جاسکے۔"

وہ کہتا جارہا تھا اور میرے چاروں طرف آہستہ آہستہ گھومتا جارہا تھا۔ میرا سر بری طرح دکھ رہا تھا۔ اس کی آواز اور اس کے جوتے میرے کانوں میں بجتے جارہے تھے۔ میں نے کراہتے ہوئے کہا۔ "جب فون پر لیلیٰ سے بات ہوگی تو میں اسے کہوں گا کہ میں زندہ

ہوں لیکن بخیریت نہیں ہوں۔ میرے سر کی چوٹ ایسی ہے کہ تم اس کی مرہم پٹی نہیں کر رہے ہو۔ میں اذیت میں مبتلا ہوں۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ بات میرے حق میں ہوگی۔ تمہیں جتنی تکلیف میں تمہاری لیلیٰ دیکھے گی' اتنا ہی بے چین ہو کر ہمارے حکم کی تعمیل کرے گی۔"

میں نے تکلیف کی شدت سے آنکھیں بند کرلیں۔ مجھے اس کے قدموں کی دور جاتی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی پھر دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ میں اسی طرح پڑا رہا اور تکلیف برداشت کرتا رہا۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد دروازہ کھلا' کرامت علی ایک آدمی کے ساتھ نظر آیا۔ دوسرے آدمی کے ہاتھ میں ٹیلی فون تھا۔ وہ ٹیلی فون میرے قریب رکھ دیا گیا۔ پھر اس شخص نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ میں دیکھ رہا تھا' وہ لیلیٰ کی کوٹھی کے نمبر تھے۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہوگیا۔ اس شخص نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔ مجھے لیلیٰ کی آواز سنائی دی۔ میں نے کہا۔ "لیلیٰ' میں ابن شہاب بول رہا ہوں۔ تم فکر نہ کرو' میں جہاں بھی ہوں خیریت سے ہوں۔"

اس نے پوچھا۔ "تم کہاں ہو؟"

"یہ مجھے معلوم نہیں ہے' میں ایک کمرے میں بند ہوں۔"

"شہاب! مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ کیا وہ کیسٹ کل صبح ان کے حوالے کردوں؟"

"یہ لوگ جو کہتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں۔ کیا وہاں تمہاری نگرانی ہو رہی ہے؟"

"ہاں' کرامت علی کا ایک آدمی سائے کی طرح میرے ساتھ لگا رہتا ہے۔ جب میں بیڈ روم میں جاتی ہوں تو وہ دروازے پر کھڑا رہتا ہے۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ میں تمہاری سلامتی کی خاطر قانون کا سہارا نہیں لوں گی۔ پھر بھی انہوں نے میرے ساتھ ایک آدمی لگا رکھا ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "اور کچھ بتاؤ۔"

وہ سمجھ گئی' اس نے کہا۔ "ہاں' جمی یہاں موجود تھا۔ جب میں یہاں آئی تو ان لوگوں نے جمی کو بھی وہی دھمکی دی۔ یعنی یہ کہ اگر اس نے قانون کا سہارا لیا یا ان کے خلاف کوئی حرکت کی تو تم مارے جاؤ گے۔ وہ بے چارہ دھمکی میں آگیا اور وہ لوگ اسے

کہیں لے گئے ہیں۔"

میں نے تسلی دی۔ "تم ذہنی طور پر پُرسکون رہنے کی کوشش کرو اور یہ لوگ جو کہہ رہے ہیں اس پر عمل کرتی جاؤ۔"

میری بات ختم ہوتے ہی کرامت علی نے میرے ہاتھ سے ریسیور چھین کر کریڈل پر رکھ دیا۔ پھر کہا۔ "اب تم اپنی لیلیٰ سے کل صبح باتیں کر سکو گے۔ جب وہ بنک جانے کے لئے گھر سے نکلے گی تو اسی وقت باتیں کرائی جائیں گی۔" یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھی کے ساتھ ٹیلی فون لے کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ دروازے کو دوبارہ بند کر دیا گیا۔ کمرے کے باہر روشنی تھی' دروازہ بند ہوتے ہی روشنی بھی ختم ہو گئی' کمرہ تاریک ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہلکی سی روشنی پھر محسوس ہونے لگی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا اوپر روشن دان تھا اور باہر کہیں سے روشنی آرہی تھی لیکن اس روشن دان سے فرار کا راستہ نہیں بنایا جا سکتا تھا۔

میں مایوس ہو کر سوچنے لگا۔ اب کیا ہو گا کیا کل صبح تک مجھے یہاں سے فرار ہونے کا موقع نہیں ملے گا؟ لیلیٰ وہ ویڈیو کیسٹ کرامت علی کے حوالے کر دے گی؟

اس کے بعد کیا ہو گا۔ یقیناً نقلی ویڈیو کیسٹ لاکر میں واپس رکھوا دی جائے گی اور لیلیٰ اس وقت تک ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنی رہے گی جب تک کہ میں یہاں قیدی کی حیثیت مجبور اور بے بس پڑا رہوں گا۔ اچانک ہی میرے دماغ میں یہ بات آئی کہ کرامت علی جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا اور مقتول سرفراز علی کی پہلی وصیت کے مطابق ان کی جائیداد کا حقدار بن جائے گا تو پھر مجھے اور لیلیٰ کو قانون تک پہنچنے کا موقع نہیں دے گا۔ مجھے اسی قید خانے میں ختم کر دے گا اور لیلیٰ کو بھی کہیں ٹھکانے لگا دے گا یا کوئی ایسی چال چلے گا جس سے ظاہر ہو گا کہ میں اور لیلیٰ اچانک ہی اس ملک سے چلے گئے ہیں یا خدا جانے اس نے اور کیسی کیسی تدبیریں سوچ رکھی ہوں۔

بہرحال یہ بات سمجھ میں آگئی تھی کہ دشمن کامیاب ہونے کے بعد ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ یہ بات پہلے ہی سمجھ میں آجاتی لیکن میرے سر میں اتنی شدید تکلیف تھی کہ ادھر دھیان نہ دے سکا۔ اب میں نے ارادہ کر لیا کہ دوسری بار جب بھی فون کرنے کا

موقع ملے گا تو میں لیلیٰ کو سختی سے منع کروں گا کہ وہ ویڈیو کیسٹ لاکر سے نہ نکالے۔

سوچنے کے دوران مجھے کمرے کے باہر کچھ آوازیں سنائی دیں۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کے پاس گیا اور کان لگا کر سننے لگا۔ مجھے جمی کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "تم لوگ مجھے کہاں لے آئے ہو' پہلے یہ بتاؤ کہ شہاب صاحب کہاں ہیں؟ اگر نہ بتایا گیا تو میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گا لیکن یہاں قیدی بن کر نہیں رہوں گا۔"

کسی نے کہا۔ "فکر کیوں کرتے ہو ہم تمہیں شہاب کے پاس ہی پہنچا رہے ہیں۔"

اس کے بعد میرے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی میں پیچھے ہٹ گیا۔ جیسے ہی دروازہ کھلا وہاں چار آدمی نظر آئے جن میں سے دو نے جمی کو دونوں طرف سے پکڑ رکھا تھا۔ جس نے دروازہ کھولا تھا اس کے ہاتھ میں ایک ریوالور تھا۔ چوتھا شخص ان سے دور ایک جگہ ریوالور لئے کھڑا ہوا تھا۔ جیسے ہی دروازہ کھلا' جمی نے مجھے آنکھ ماری اور اس کے ساتھ ہی ریوالور والے کی پشت پر ایک زور دار لات رسید کر دی۔ میں ایک طرف ہٹ گیا ریوالور والا لڑکھڑاتا ہوا کمرے کے اندر پہنچا۔ میں نے اچھل کر دروازے کو تھامتے ہوئے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

جمی یقیناً یہ چاہتا تھا کہ جن دو آدمیوں نے اس کو پکڑ رکھا ہے۔ ان میں سے ایک کو میں اپنے قابو میں کروں۔ دوسرے کو وہ ڈھال بناتا ہوا چوتھے ریوالور والے کی طرف جائے گا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ وہ چوتھا ریوالور والا چپ چاپ کھڑا تھا اور جمی کو دیکھے جا رہا تھا۔

میں نے اس شخص پر حملہ کیا جس نے جمی کے دائیں بازو کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ میرے حملے کے جواب میں مجھ سے لپٹ پڑا۔ اندر کمرے سے آواز آرہی تھی۔ ریوالور والا دروازہ پیٹ پیٹ کر کہہ رہا تھا۔ "دروازہ کھولو ورنہ میں گولی چلاؤں گا تو اس لکڑی کے دروازے کو چھید کر گولی جانے کسے جا لگے گی۔"

میں اور جمی اپنے اپنے مقابل سے ہاتھا پائی میں مصروف تھے ہمارا پلہ بھاری تھا بلکہ جمی کا پلہ کچھ زیادہ ہی بھاری تھا۔ اس نے اپنے مقابل کی ٹھوڑی کے نیچے ایک کھڑے ہاتھ کا چوپ ایسا مارا تھا کہ اب وہ فرش پر گر کر تڑپ رہا تھا۔ پھر اس نے میرے مقابل کو

سنبھال لیا۔ اسی وقت خان اعظم خان کی گرجدار آواز سنائی دی۔ "یہ کیا ہو رہا ہے تم ریوالور لئے منہ کیا تک رہے ہو؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے ایک فلائنگ کک اس کے سینے پر ماری۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پچھلی دیوار سے جالگا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ جیب میں ڈالا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنا ہاتھ نکالتا' جمی نے اس کے دائیں ہاتھ کو تھام کر اس کے منہ پر ایک زور کی ٹکر ماری' وہ تلملا گیا۔

اس دوران میں اس شخص سے نمٹ رہا تھا۔ جو پہلے میرے مقابل تھا بعد میں جمی نے اسے سنبھالا۔ پھر میں نے اسے سنبھال لیا۔ تاکہ وہ آگے بڑھ کر دروازہ نہ کھولے اور ریوالور والے کو باہر نکلنے کا موقع نہ دے۔

تھوڑی دیر میں ہم غالب آگئے۔ میں نے اپنے مقابل کو پچھاڑنے کے بعد اس کے منہ پر پے در پے گھونسے مارنے شروع کردیئے تھے۔ دوسری طرف جمی نے فری اسٹائل کا داؤ آزماتے ہوئے' اپنی ٹانگوں سے خان اعظم کے ہاتھوں اور گردن میں ایسی قینچی لگائی تھی کہ وہ اب اپنا ہاتھ جیب کی طرف نہیں لے جاسکتا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے کراہتے ہوئے اور ریوالور والے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ارے اُلو کے پٹھے! چپ چاپ کھڑا کیا دیکھ رہا ہے' گولی کیوں نہیں چلاتا؟"

اس ریوالور والے نے کہا۔ "میں کہاں سے گولی چلاؤں' یہ تو خالی ہے۔ مجھے تو ان لوگوں کو دھمکانے کے لئے یہ ریوالور دیا گیا تھا۔ اصل ریوالور والا تو کمرے کے اندر بند ہوگیا ہے۔"

خان اعظم خان تڑپ کر جمی کے داؤ سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا' پھر ناکام ہوا تو جھنجلا کر کہا۔ "ابے گدھے کے بچے! ریوالور خالی ہے تو کم از کم تُو اس دروازے کو کھول تو سکتا ہے؟"

ریوالور والے نے کہا۔ "میں کیسے کھولوں؟ یہ صاحب جنہوں نے آپ کو دبوچ رکھا ہے' یہ بہت بڑے پولیس آفیسر ہیں' ان کا نام جمیل الدین صاحب ہے۔ ایک رات میرے گھر آئے تھے اور مجھ سے بیان لیا تھا۔"

جمی نے کہا۔ "شاباش کریم بخش میں تمہیں پہچان گیا ہوں' تم چندا کے منگیتر ہو۔ شاباش' قانون کا ساتھ دو اور قریب آکر اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھو کہ وہاں کیا ہے؟"

کریم بخش نے آگے بڑھ کر جمی کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ اسے پولیس آفیسر سمجھ رہا تھا کیونکہ ایک رات میرے حکم سے جمی' آفیسر بن کر کریم بخش سے ملنے اور اس سے معلومات حاصل کرنے گیا تھا۔ بہرحال کریم بخش نے خان اعظم کی پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک لانبا سا چاقو نکال لیا اور پھر اسے کھول کر جمی کے حوالے کردیا۔ جمی نے چاقو کی نوک خان اعظم کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اب خاموشی سے پڑے رہو اور اپنے ساتھی کو حکم دو کہ اپنے ریوالور کی گولیاں نکال کر دروازے کے نیچے سے ہمیں دے اس کے بعد ہم دروازہ کھول دیں گے۔"

خان اعظم نے مجبور ہو کر بلند آواز میں حکم دیا۔ میں دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے دروازے کے نیچے سے یکے بعد دیگرے چھ گولیاں نکلتی ہوئی نظر آئیں۔ ان گولیوں کو میں نے اپنی مٹھی میں رکھ لیا۔ پھر میں نے دروازے کی چٹخنی پر ہاتھ رکھے ہوئے کہا۔ "دروازہ کھولنے سے پہلے میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔ تم دروازے سے کان لگا کر سنو۔"

میں نے چند سیکنڈ تک انتظار کیا پھر یک بارگی چٹخنی کو نیچے گراتے ہی ایک جھٹکے سے دروازے کو کھولا دوسری طرف کھڑا ہوا شخص لڑکھڑاتا ہوا دور چلا گیا۔ میں نے فوراً ہی اندر پہنچ کر اسے ایک اور لات ماری۔ وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ میں نے پے در پے دو چار گھونسے رسید کئے۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر دوبارہ لوڈ کرتے ہوئے کہا۔

"چلو' باہر نکلو۔"

وہ ریوالور کی زد میں باہر آگیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم نے رسیوں کا انتظام کیا اور خان اعظم کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ اس کے بعد میں نے کریم بخش سے پوچھا۔ "تم یہاں کیسے آئے؟"

اس نے کہا۔ "ہم چاروں سرفراز آئرن مل کے ملازم ہیں۔ یہ ہمارے جنرل منیجر ہیں۔ ہم سے ایسا کام لینے کے لئے انہوں نے ہمیں بہت بڑے معاوضے کا لالچ دیا تھا۔ پہلے ہمیں پانچ ہزار روپے دیئے اور وعدہ کیا کہ بعد میں اور پانچ ہزار روپے دیں گے۔"

میں نے پوچھا۔ "تم اپنے چھوٹے صاحب کامل سرفراز کو جانتے ہو؟"

"جی جناب' جانتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ ان پولیس آفیسر صاحب کو یہاں پکڑ کر لائیں گے۔ میں تو انہیں دیکھتے ہی ڈر گیا کہ یہ تو............ بالکل ہی قانون کے خلاف ہو رہا ہے۔ میں پھنس جاؤں گا تو چندا سے شادی کرنے کے لالچ میں جو پانچ ہزار ملے ہیں اس سے بھی زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس لئے میں نے آفیسر صاحب کا ساتھ دیا ہے۔"

میں نے باقی لوگوں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا' ان میں سے دو نے کہا۔ "جناب' ہم بھی کریم بخش کی طرح بے قصور ہیں۔ ہم نے پہلے ایسا کام کبھی نہیں کیا۔ ہمارے جنرل منیجر صاحب نے کہا تھا کہ دو بدمعاش کرامت صاحب کی جان کے دشمن ہیں' ان کو ایک جگہ لے جا کر قید کرنا ہے۔ بعد میں ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔ ہمیں یہاں رات بھر چوکیداری کے لئے بلایا گیا تھا۔ کریم بخش کو ایک خالی ریوالور دے دیا تاکہ وہ آپ لوگوں کو اس ریوالور سے دھمکی دیتا رہے۔ باقی یہ جو اصلی ریوالور والا ہے' یہ جنرل منیجر کا پرانا آدمی ہے اور یہ گولی چلانا بھی جانتا ہے۔"

میں نے ان دونوں کو حکم دیا کہ اس ریوالور والے کو بھی رسیوں سے باندھ دیں۔

وہ اسے باندھنے لگے' میں نے خان اعظم سے پوچھا۔ "یہ کون سی جگہ ہے؟"

اس نے کہا۔ "ہم سمندر کے قریب ہیں۔ جس ریستوران میں ہم نے چائے پی تھی۔ وہاں سے مغرب کی طرف آٹھ میل کے فاصلے پر یہ ایک نیم پختہ کاٹیج ہے۔" اس نے کاٹیج کا نمبر بتایا اور کہا۔ "وہ ویگن کاٹیج کے باہر کھڑی ہوئی ہے' جس میں آپ کو بے ہوش کر کے لایا گیا تھا۔"

میں نے ٹیلیفون کے پاس پہنچ کر ریسیور اٹھایا اور سرفراز کی کوٹھی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ خان اعظم نے گڑگڑا کر کہا۔ "مسٹر ابن شہاب' آپ پولیس کو فون نہ کریں۔

آپ جو سمجھوتہ کریں گے' جیسا سودا کریں گے اس پر ہم راضی ہو جائیں گے۔ پہلے کرامت علی خان سے رابطہ قائم کریں' میں اس کے نمبر بتاتا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ کرامت علی خان کا نمبر بتاؤ۔" اس نے ایک نمبر بتایا' میں نے جمی سے کہا۔ "اس نمبر کو ذہن نشین کر لو۔" اس وقت تک دوسری طرف سے آواز سنائی دی' افسانہ کی آواز تھی۔ میں نے کہا۔ "کامل کو ریسیور دو۔"

تھوڑی دیر بعد کامل کی آواز سنائی دی۔ میں نے اسے اس کاٹیج کا پتہ بتاتے ہوئے کہا۔ "فوراً یہاں پہنچو' تمہارے دل کی بھڑاس نکلنے والی ہے۔ تمہارا ایک دشمن خان اعظم ہمارے شکنجے میں ہے' فوراً چلے آؤ۔"

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ہم سب سمندر کے ساحل پر تھے۔ خان اعظم اور اس کے ساتھی' رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ میں نے کامل سے کہا۔ "یہ لوگ ویڈیو کیسٹ حاصل کرنے کے بعد اپنا کام نکال کر ہمیں زندہ نہ چھوڑتے' مجھے اور لیلیٰ کو ختم کر دیتے لہٰذا میں بھی خان اعظم کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

کامل نے کہا۔ "میں کب اسے معاف کرنے والا ہوں لیکن میں اسے اسی طرح ماروں گا جس طرح اس نے میری امی کو ڈبو کر مارا ہے' لہٰذا اس کے کپڑے اتار لئے جائیں۔"

کریم بخش اور آئرن مل کے دونوں ملازموں نے حکم کی تعمیل کی۔ خان اعظم کو بے لباس کر دیا گیا۔ پھر وہ اسے اٹھا کر سمندر کی طرف لے گئے۔ خان اعظم ہاتھ پاؤں جھٹک رہا تھا۔ کبھی ان کی گرفت سے نکل کر ریت پر گر جاتا تھا' پھر وہ اسے اٹھا کر لے جاتے تھے۔ آخر انہوں نے اسے آگے پیچھے جھلاتے ہوئے سمندر کی موجوں میں پھینک دیا۔ اس کی چیخ سنائی دی۔ وہ تڑپ کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ جب لہریں واپس گئیں تو وہ گہری گہری سانسیں لیتا ہوا اور نمکین پانی کی قے کرتا ہوا نظر آیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر کھڑا ہوتا اور اُچھل اُچھل کر واپس آنے کی کوشش کرتا' لہروں نے پھر اسے گھیر لیا۔ اٹھا کر پھینکا اور پھر اپنے اندر ڈبو لیا۔

یہ تماشا تھوڑی دیر کا تھا۔ وہ لہروں سے لڑ نہیں سکتا تھا۔ وہاں سے بھاگ نہیں سکتا

تھا۔ آخر موت نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس کے بعد کریم بخش اور اس کے دونوں ساتھیوں نے خان اعظم کے ساتھی کو بھی اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا تھا۔ ہمارے حکم پر کریم بخش اور اس کے ساتھی' اس لاش کو گھسیٹتے ہوئے دور لے گئے اور ایک چٹان کے کنارے رکھ دیا۔ ہم نے اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ جہاں ہمیں قید کیا گیا تھا وہاں ہماری موجودگی کا کوئی نشان نہ ملے۔ ساحل پر بھی ہم نے اپنے قدموں کے نشانات مٹا دیئے۔ جس ویگن میں بیٹھ کر آئے تھے اس میں بھی ہم نے اپنے نشانات نہیں چھوڑے۔ پھر ہم سب کامل کی کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔

ٹیلی فون ایکسچینج کی عمارت کے سامنے میں نے کامل سے گاڑی روکنے کے لئے کہا' پھر کہا۔ "خان اعظم خان نے مجھے کرامت کا ایک ٹیلی فون نمبر دیا تھا۔ تاکہ میں اس سے سمجھوتہ کروں۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ فون نمبر کس مکان کا ہے اور کس سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں میرا ایک شناسا ہے' میں ابھی معلوم کرکے آتا ہوں۔"

وہاں میرا ایک ساتھی رشید صدیقی لائن آفیسر تھا۔ میں نے اس کے دفتر میں پہنچ کر اس سے مصافحہ کیا۔ پھر اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کام فوراً کردو' مجھے دوسری جگہ جلدی جانا ہے۔"

تقریباً دو منٹ کے اندر مجھے معلوم ہوگیا کہ وہ فون نمبر اسی مکان کا تھا' جہاں وہ بوڑھی عورت رہتی تھی۔ وہ بوڑھی عورت جسے ممی کہہ کر کرامت علی خان نے اپنی بیوی ریحانہ سے ملاقات کرائی تھی۔ میں نے کار میں بیٹھتے ہوئے کامل اور جمی کو بتایا کہ وہ فون نمبر اس بوڑھی عورت سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم وہاں سے لیلیٰ محسن کی کوٹھی کے قریب پہنچے' اپنی کار اس کوٹھی سے کچھ دور روک لی کیونکہ ابھی وہاں دشمن کا ایک آدمی' لیلیٰ کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا تھا۔ میں کریم بخش کو لے کر کوٹھی کے احاطے میں دبے قدموں داخل ہوا پھر میری ہدایت کے مطابق کریم بخش نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کسی کی آواز سنائی دی۔ "کون ہے؟"

کریم بخش نے کہا۔ "میں کریم بخش ہوں۔ جنرل منیجر صاحب نے مجھے بھیجا ہے' بہت ضروری بات ہے۔"

اندر سے بولنے والے نے کھڑکی کے پاس آکر کہا۔ "کریم! تم اپنی صورت دکھاؤ۔"

کریم بخش کھڑکی کے پاس جاکر بولا۔ "یہ میں ہی ہوں۔"

وہ مطمئن ہوگیا۔ کریم بخش دروازے کے قریب پہنچا تو دروازہ کھل گیا۔ جیسے ہی کھلا' میں نے ایک زور کی لات ماری۔ دروازہ کھولنے والا لڑکھڑا کر پیچھے چلا گیا۔ میں نے اسے ریوالور کے نشانے پر لیتے ہوئے کہا۔ "بس اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا۔ کریم بخش اس کی تلاشی لو۔"

وہ اس کی تلاشی لینے لگا۔ لیلیٰ دور ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی خوشی سے اچھل پڑی۔ اس شخص کے پاس سے ایک ریوالور برآمد ہوا۔ اسے میں نے اپنے قبضے میں کیا پھر کریم بخش سے کہا۔ "جاؤ جمی اور کامل وغیرہ کو بلا کر لے آؤ۔"

وہ چلا گیا۔ لیلیٰ نے کہا۔ "شہاب' اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے' اسے پولیس کے حوالے کیا جائے۔"

"نہیں لیلیٰ! تم صبر کرو۔ میں تمہیں تمام واقعات بتاؤں گا۔"

جمی نے آتے ہی اس شخص کی پٹائی شروع کردی۔ اچھی طرح اس کا بھرکس نکالنے کے بعد اسے وہاں سے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ بے چارہ ہانپتا کانپتا باہر چلا گیا۔ ہم نے لیلیٰ کو بتایا کہ خان اعظم کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے۔ لہٰذا قانونی کارروائی فضول ہے' جب کرامت علی جیسے بیرسٹر' قانون سے کھیل سکتے ہیں اور سزا سے بچ سکتے ہیں تو ہمیں بھی قانون سے ذرا ہٹ کر ایسے مجرموں کو سزا دینی چاہئے اور ہم اب کرامت کو سزا دیں گے۔

لیلیٰ نے کہا۔ "میری اور کرامت کی قانونی لڑائی ہے۔ اس نے مجھے عدالت میں شکست دی ہے' اس لئے اب میں اس سے بات کروں گی۔ مجھے اس کا نمبر بتاؤ۔"

میں نے نمبر بتایا' لیلیٰ ریسیور اٹھا کر ڈائل کرنے لگی تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہوا' اس نے کہا۔ "میں کرامت علی خان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

لیلیٰ نے خاموش رہ کر دوسری طرف کی بات سنی۔ پھر جواباً کہا۔ "بڑی بی' اس عمر میں جھوٹ نہ بولو۔ کرامت وہاں موجود ہے' اسے صرف اتنا کہو کہ لیلیٰ نے فون کیا ہے' وہ

دوڑا چلا آئے گا۔"

تھوڑی دیر بعد لیلیٰ نے اشارے سے بتایا کہ کرامت کی آواز سنائی دے رہی ہے، پھر اس نے کہا۔ "کرامت علی، اب تم ویڈیو کیسٹ کا خواب دیکھتے رہو گے۔ تمہارا خواب ادھورا رہ گیا ہے۔ ابن شہاب یہاں میرے پاس موجود ہے۔"

میں، لیلیٰ کے قریب آکر ریسیور سے کان لگائے سن رہا تھا۔ کرامت نے کہا۔ "تم جھوٹ بولتی ہو، شہاب ایسے شکنجے میں ہے کہ وہاں سے نکل نہیں سکتا۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔" میں نے ریسیور کے قریب بلند آواز سے کہا۔ "میری آواز پہچانو، میں ابن شہاب بول رہا ہوں اور اس وقت لیلیٰ کے ساتھ ہوں۔ تمہارا وہ کھیل ختم ہو چکا ہے، اگر تم اپنے دست راست خان اعظم سے ملنا چاہتے ہو تو اسی مکان کے قریب سمندر کے ساحل پر جاؤ، وہاں تمہاری ویگن موجود ہے۔ قریب ہی ایک چٹان کے سائے میں خان اعظم بے لباس پڑا ہوا ہے۔"

اچانک کامل نے قریب آکر ہم سے ریسیور چھین لیا۔ پھر غصے سے چیختے ہوئے بولا۔ "ہاں بے لباس جس طرح تم نے دو قتل کئے، جس طرح تم نے دونوں کو پانی میں ڈبویا اور ان کے ساتھ سلوک کیا۔ وہی سلوک تمہیں اپنے ساتھی کے ساتھ نظر آئے گا۔ جاؤ اس کی پانی میں ڈبو کر نکالی ہوئی لاش کو دیکھو اور اپنی موت کا انتظار کرو۔ ابھی ہم اس فون نمبر پر تمہاری اس بڑھیا کے مکان تک پہنچے ہیں، آئندہ کسی بھی لمحے تمہاری شہ رگ تک پہنچیں گے۔"

میں نے ریسیور لے کر کچھ کہنا چاہا لیکن دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔ یقیناً کرامت علی اب بہت زیادہ گھبرایا ہوا ہوگا۔ اس کی ساری پلاننگ فیل ہو چکی ہوگی اور اب وہ اس بڑھیا کے مکان میں رہنے سے بھی ڈر رہا ہوگا۔

میں نے کامل سے کہا۔ "اب تم اپنی کوٹھی میں جاؤ۔ وہاں تمہاری بہنیں تنہا ہیں، اتنا تو ہم جانتے ہیں کہ کرامت انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔ جان بوجھ کر اپنے اوپر کسی طرح کا الزام نہیں لے گا لیکن شکست کھایا ہوا اور جھنجلایا ہوا ذہن کچھ بھی کر سکتا ہے، اس لئے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

کامل نے غصے سے کہا۔ "میرا جی چاہتا ہے کہ آج ہی اس کا بھی خاتمہ کر دوں۔"

"جوش اور جذبے میں کوئی حماقت کر بیٹھو گے۔ یہ باتیں ہم پر چھوڑو اور تم اپنی کوٹھی میں جاؤ۔"

ہم نے اسے سمجھا منا کر وہاں سے بھیج دیا۔ اس وقت ایک بج کر پینتالیس منٹ ہوئے تھے۔ ہم نے کریم بخش اور اس کے ساتھیوں کو رخصت کر دیا۔ پھر میں نے جمی سے کہا۔ "تم اپنے ہائی وے والے کاٹیج میں جاؤ اور ایسے اوزار لے کر آؤ جس کے ذریعے ہم اس بڑھیا کے مکان میں داخل ہو سکیں۔ شاید ہم چوری کی واردات بھی کریں گے۔"

لیلیٰ نے پوچھا۔ "اس سے فائدہ کیا ہوگا؟"

میں نے کہا۔ "ایک تو کرامت گھبرایا ہوا ہے، یقیناً اس بڑھیا کے مکان میں رات نہیں گزارے گا، کسی دوسری جگہ جائے گا پھر کل جب اسے پتہ چلے گا کہ مکان میں کوئی داخل ہوا تھا اور کچھ چرا کر لے گیا ہے تو وہ سمجھ جائے گا کہ ہم ہی اس کی تلاش میں وہاں گئے تھے، دشمن کو اب ہم جتنا زیادہ دہشت زدہ کر سکیں، جتنی نفسیاتی مار مار سکیں اتنا ہی اس کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ وہ کسی مرحلے پر جھنجلا کر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے گا کہ خود ہی قانون کی گرفت میں آجائے۔"

جمی چلا گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے کہا۔ "کیا ملازمہ چلی گئی ہے؟"

لیلیٰ نے کہا۔ "ہاں وہ کام ختم کر کے چلی جاتی ہے۔ آج میں نے اسے روکنا چاہا تو اس بدمعاش نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ میرے ساتھ یہاں رہے گا۔"

میں نے قریب آکر کہا۔ "اگر وہ بدمعاش تمہارے ساتھ رات گزارتا تو کیا ہوتا؟"

اس نے جھینپ کر مجھے دیکھا۔ پھر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ میں نے پوچھا۔ "لیلیٰ! سچ سچ بتاؤ، دشمنوں نے مجھے قید کر لیا تھا تو تم کیا سوچ رہی تھیں۔ کیا میری جان بچانے کے لئے وہ ویڈیو کیسٹ کرامت کے حوالے نہیں کرتیں؟"

اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ کو چھپا لیا، میں نے اس کی ہچکیاں سنیں، پھر وہ آہستہ آہستہ کہنے لگی۔ "تم قید ہو گئے تھے تو میری جان نکل رہی تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ

تمہیں کیسے آزاد کراؤں، تمہارے لئے کیا کروں، کیسے جان دوں۔ تمہیں تھوڑی دیر کے لئے کھو کر یوں محسوس ہوا تھا جیسے میں دوسری بار اپنا سہاگ لٹانے والی ہوں۔" یہ کہتے ہی وہ رونے لگی۔

میں نے آگے بڑھ کر بڑے پیار سے اس کے آنسوؤں سمیت اسے سمیٹ لیا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ آنسوؤں کو پی لینا حوصلے کی بات ہے لیکن جب اسے حوصلہ نہ ہوا تو میں اس کی آنکھوں کو اور اس کے چہرے کے آنسوؤں کو پینے لگا۔

☆======☆======☆

جب ہم اس بڑھیا کے مکان کے سامنے پہنچے تو اس وقت رات کے سوا تین بجے تھے۔ ایسے وقت عام طور پر لوگ گہری نیند سوتے ہیں۔ ہم بخیریت دروازے تک پہنچ گئے۔ جمی نے وہاں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ ذرا سی دیر میں وہ دروازہ جو اندر سے لاک تھا باہر سے کھول لیا گیا۔

میں نے پنسل ٹارچ روشن کی، سامنے ایک تنگ راہداری نظر آئی۔ ہم نے اس راہداری سے دبے قدموں گزرتے ہوئے دیکھا کہ ایک طرف بڑا سا ڈرائنگ روم تھا۔ دوسری طرف دو بیڈ روم تھے۔ میں نے ایک کھڑکی کے پردے کو ذرا سا ہٹایا اندر ہلکی نیلی سی روشنی تھی اس روشنی میں وہ بوڑھی عورت سوتی نظر آئی ہم نے دوسرے کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ وہ کمرہ خالی تھا۔ بستر پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں جیسے تھوڑی دیر پہلے کوئی سوتا رہا ہو۔ ہم نے اس کمرے کے دروازے کو دیکھا، باہر سے اس کی چٹخنی چڑھی ہوئی تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی یہاں سے اٹھ کر باہر گیا ہے۔ ہم نے باتھ روم وغیرہ میں جاکر دیکھا۔ اس مکان میں اور کوئی موجود نہیں تھا۔

میں نے یہی رائے قائم کی کہ کرامت علی خان یہاں موجود تھا لیکن جب ہم نے اسے فون پر اس کی شکست کی اطلاع دی اور اسے دہشت زدہ کیا تو وہ اپنی سلامتی کے لئے یہاں سے چلا گیا۔

ہم نے ڈرائنگ روم کی تلاشی لی۔ پھر اس خالی کمرے کو کھول کر اندر گئے۔ ہم کسی ایسی چیز کی تلاش میں تھے جس کے ذریعے کرامت علی اور اس بوڑھی خاتون کے تعلقات

پر روشنی پڑ سکے۔ ہمیں ایسی کوئی چیز ہاتھ نہیں لگی پھر ہم اس بوڑھی عورت کے کمرے میں پہنچے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اسے جمی نے کھول دیا۔ پھر ہم اندر پہنچے وہاں سب سے پہلے ہماری نظر ایک آہنی تجوری پر پڑی۔ موجودہ دور میں لوگ آہنی الماری کے اندر تجوریاں رکھتے ہیں اور اسی میں اپنی اہم چیزیں چھپا کر رکھتے ہیں لیکن وہ پرانے طرز کی ایک تجوری تھی۔ میں نے جمی کو اشارہ کیا۔ وہ اُدھر جاکر اپنے فن کو آزمانے لگا۔

میں اس بوڑھی عورت کے قریب جاکر کھڑا ہوگیا۔ ہاتھ میں ریوالور رکھ لیا تاکہ وہ بیدار ہو تو ریوالور دیکھ کر دہشت سے آواز نہ نکال سکے لیکن وہ گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی۔ شاید اس نے خواب آور گولیاں کھائی ہوں۔ اکثر بوڑھے لوگ آرام سے سونے کے لئے خواب آور دوائیں استعمال کرتے ہیں۔ ایک آدھ بار جمی کی طرف سے کچھ آوازیں ہوئیں۔ وہ آوازیں کسی کو بیدار کرنے کے لئے کافی تھیں لیکن وہ سوتی رہی۔ میں، تجوری کے پاس آگیا۔ وہاں خاصے روپے رکھے تھے۔ کچھ زیورات بھی تھے۔ ایک بڑا سا لفافہ، ایک ڈائری اور ایک فائل بھی رکھی ہوئی تھی۔ ہم نے پہلے لفافہ کھول کر دیکھا۔ اس میں کتنی ہی تصویریں تھیں، پہلی تصویر میں ایک نوجوان عورت ایک بچے کو گود میں لئے ہوئے تھی۔ اس تصویر کو دیکھتے ہی ہم سمجھ گئے کہ یہ اس بوڑھی عورت کی جوانی کی تصویر ہے۔ میں نے تصویر کو پلٹ کر دیکھا، پیچھے لکھا ہوا تھا "شرارہ بیگم" اس کے نیچے لکھا ہوا تھا۔ کرامت علی خان۔ عمر چھ ماہ۔

اس تصویر کو دیکھتے ہی میں نے اور جمی نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ بیک وقت ہمارے ذہن میں یہی سوال پیدا ہوا کیا کرامت علی اس عورت کا بیٹا ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق تو کرامت علی کی ماں اس کے بچپن میں ہی مرگئی تھی اور اس کا باپ رحمت علی، کرامت علی کی شادی کے بعد مرگیا تھا لیکن یہ ماں کیسے زندہ ہے یا پھر یہ جھوٹی بات کیسے پھیلائی گئی، کیوں پھیلائی گئی کہ کرامت علی کی ماں مرچکی ہے؟

ہم اس لفافے سے مزید تصویریں نکال نکال کر دیکھنے لگے۔ کسی تصویر میں وہ بوڑھی عورت جس کا نام شرارہ بیگم تھا، رحمت علی یعنی کرامت علی کے باپ کے ساتھ بھی نظر آئی۔ کرامت علی کسی میں ماں کے ساتھ کسی میں باپ کے ساتھ اور کسی میں دونوں کے

ساتھ نظر آرہا تھا اور وہ کرامت علی کی مختلف عمروں کی تصویریں تھیں۔ کسی تصویر میں وہ پانچ برس کا تھا کسی میں سات برس کا کسی میں دس برس کا اور کسی میں بیس برس کا نظر آرہا تھا۔ ان تصویروں کے ذریعے اس بات کا پورا ریکارڈ قائم ہو رہا تھا کہ کرامت علی شرارہ بیگم کا بیٹا ہے اور شرارہ بیگم رحمت علی کی بیوی ہے۔ رحمت علی اور شرارہ بیگم کرامت علی کے والدین ہیں۔ تمام تصویروں کے پیچھے ان کے نام اور ان کی مختلف عمریں لکھی ہوئی تھیں۔

اس کے بعد میں نے فائل کو نکال کر دیکھا۔ فائل کے پہلے صفحہ پر ہی نکاح نامہ تھا۔

وہ نکاح نامہ ثابت کر رہا تھا کہ رحمت علی خان نے شرارہ بیگم سے نکاح پڑھایا تھا۔

میں نے وہ فائل جمی کو دے کر تجوری کے اندر سے اس ڈائری کو اٹھایا اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اس ڈائری کے تمام صفحات پُر تھے۔ کوئی صفحہ ایسا نہیں تھا جس پر کچھ نہ کچھ لکھا ہوا نہ ہو معلوم ہوتا تھا کہ شرارہ بیگم نے اپنی پوری داستان لکھی ہوئی ہے۔ یہ داستان ذرا فرصت سے پڑھنے کا تقاضا کر رہی تھی۔ اس لئے ہم نے اس ڈائری کو اس فائل اور ان تصویروں سے بھرے ہوئے لفافے کو اپنے پاس رکھ لیا۔ نوٹوں کی گڈیاں دیکھیں تو تقریباً پینتیس ہزار روپے تھے۔ بھلا ہاتھ آئی ہوئی رقم میں کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ میرا تو دھندا ہی یہ تھا۔ میں نے رقم کے ساتھ زیورات بھی سمیٹ لئے۔ تجوری خالی کردی جمی اسے بند کرنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا۔ ”نہیں کھلی رہنے دو تاکہ صبح بیدار ہوتے ہی بڑی بی کو چوری کا پتہ چلے۔“

بڑی بی نیند میں کسمسانے لگی۔ ہم دیکھتے رہے شاید وہ بیدار ہو جائے۔ پھر اسی وقت اس سے نمٹ لیں لیکن وہ کروٹ بدلنے کے بعد پھر سو گئی تھی‘ ہم وہاں سے نکل آئے۔ دروازے کو بند کر دیا۔ اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے۔ جب ہم اپنے سپرہائی وے کے کاٹیج میں پہنچے تو سورج نکل آیا تھا۔ میں نے فون کا ریسیور اٹھا کر لیلیٰ کو مخاطب کیا۔ وہ صبح بیدار ہونے کی عادی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ ہم نے بڑی بی کے مکان سے جو کچھ حاصل کیا ہے‘ اس کی تفصیل بعد میں بتائی جائے گی۔ ابھی میں سونے کے لئے جا رہا ہوں۔ وہ میرے لئے فکر مند نہ رہے۔

اس کے بعد میں لباس بدل کر بستر پر آیا۔ جمی وہاں پہنچتے ہی سونے چلا گیا تھا۔ میں بستر پر لیٹ کر اس ڈائری کو شروع سے پڑھنے لگا۔ ارادہ تھا کہ جب پڑھتے پڑھتے گہری نیند آئے گی تو سو جاؤں گا اور یہی ہوا۔ میں اس ڈائری میں لکھے ہوئے بہت سے اہم واقعات پڑھ چکا تھا۔ تب بے اختیار اونگھنے لگا۔ میں نے اسے بند کر کے تکئے کے نیچے رکھا۔ پھر گہری نیند میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆======☆======☆

سوتے سوتے آدھا دن گزر گیا۔ جمی نے مجھے آواز دی۔ "باس اٹھ جائیے' ایک بجنے والا ہے۔" میں نے آنکھیں کھول دیں' تھوڑی دیر تک چپ چاپ لیٹا رہا۔ پچھلی رات کے واقعات آہستہ آہستہ یاد آتے رہے' جمی نے پوچھا۔ "کیا یہاں کھانے کا ارادہ ہے یا لیلیٰ صاحبہ کے ہاں جائیں گے؟"

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ میرے غسل کرنے تک تم لنچ بکس لے آؤ۔ یہیں کچھ کھالیں گے۔"

وہ چلا گیا میں نے غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد لباس تبدیل کیا' پھر ٹیلی فون کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ ریسیور اٹھا کر شرارہ بیگم کے نمبر ڈائل کئے۔ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے اس کی آواز سنائی دی۔ میں نے کہا۔ "ہیلو' شرارہ بیگم میں لیلیٰ محسن کا پرائیویٹ سیکرٹری ہوں' پرائیویٹ جاسوس بھی ہوں۔ اگر آپ اپنے ہاں کی چوری کی تحقیقات کرانا چاہتی ہیں' چور تک پہنچنا چاہتی ہیں تو میں اپنی خدمات پیش کر سکتا ہوں۔"

اس نے پوچھا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میرے ہاں چوری ہوگئی ہے۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ چوری کی رپورٹ تم نے درج نہیں کرائی ہے۔ ہاں' بھلا درج کیسے کراتیں' اس میں تمہاری اور کرامت علی کی زندگی کے ایسے واقعات ہیں کہ اگر ان کا انکشاف ہوجائے تو بیرسٹر کرامت علی ایک طوائف کا بیٹا کہلائے گا۔"

چند لمحوں تک فون پر خاموشی رہی پھر اس کی مردہ سی آواز سنائی دی۔ اس نے پوچھا۔ "تم نے وہ ڈائری پڑھ لی ہے؟"

میں نے کہا۔ "ڈائری لکھنے والے بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں لکھتے وقت سوچتے ہیں کہ ان کے سوا ان کی زندگی کے حالات کوئی دوسرا نہیں پڑھ سکے گا۔ اگر کسی دوسرے کے ہاتھ لگنے کا اندیشہ ہو تو ڈائری دہ سات پردوں میں چھپا کر رکھتے ہیں۔ تم نے اسے آہنی تجوری میں چھپایا تھا۔ کیا یہ بات کرامت علی کو معلوم نہیں ہے؟"

"اس کا تعلق تم سے نہیں ہے' ایسے سوالات نہ کرو۔"

"میں سوال کررہا ہوں اور تم جواب دینے کی پابند ہو۔ اگر تم اس راز کو راز رکھنا چاہتی ہو تو جواب دو۔"

میں نے دوسری طرف اس کی گہرا سانس لینے کی آواز صاف طور پر سنی' پھر اس نے کہا۔ "جب کرامت کے والد زندہ تھے تو ایک بار انہوں نے اس ڈائری کو پڑھا تھا' اس وقت یہ مکمل نہیں تھی۔ انہوں نے سمجھایا تھا کہ ایسی باتیں نہ لکھی جائیں' دشمنوں کے ہاتھ پڑ سکتی ہیں۔ ہم اپنے بیٹے کو بیرسٹر بنائیں گے تو وہ اونچی سوسائٹی کا فرد ہوگا۔ جب یہ بات ظاہر ہوگی کہ اس کی ماں کا تعلق بازار حسن سے تھا تو وہ شرم سے مرجائے گا۔"

یہ کہہ کر وہ ایک ذرا چپ ہوئی پھر بولی۔ "میں نے اپنے شوہر سے وعدہ کیا تھا کہ اس ڈائری کو جلادوں گی لیکن میں اسے جلا نہ سکی کیونکہ اس میں میرے بیٹے کرامت کی بچپن کی بہت سی یادیں محفوظ ہیں۔ بہت سی ایسی معصوم اور دلچسپ باتیں ہیں کہ میں انہیں تنہائی میں پڑھتی ہوں تو میری آنکھوں میں آنسو بھر جاتے ہیں۔ سوچتی ہوں' کیسی ماں ہوں کہ بیٹا جب تعلیم حاصل کرنے لگا تو مجھے اس سے الگ کردیا گیا کہ مستقبل میں جو شہرت اور عزت حاصل کرنے والا تھا۔ میں ایک ماں ہو کر اس کے لئے بدنما دھبہ بن جاتی۔ ہائے' میں کتنی بدنصیب ماں ہوں۔"

میں نے تحقیر سے کہا۔ "وہ ماں بھی بہت ہی بدنصیب تھی جو تمہارے بیٹے کے ہاتھوں پانی میں ڈبو کر مار دی گئی۔"

وہ پھر چپ رہی' میں نے کہا۔ "تمہاری خاموشی سے ایک دوسری ماں کی بدنصیبی کا المیہ چھپ نہیں سکتا۔ اگر تم ماں ہو اور ماں کے درد کو سمجھتی ہو تو اپنے بیٹے سے کہو کہ وہ اپنے جرم کا اقرار کرلے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ راز فاش نہیں ہونے دوں گا۔"

"رازداری کی اتنی بڑی شرط نہ لگاؤ میں ایک ماں ہوں۔ کس طرح یہ چاہوں گی کہ میرا بیٹا اپنے جرم کا اعتراف کرے اور پھانسی کے پھندے تک پہنچ جائے۔"

"اگر تم صحیح معنوں میں ماں ہو اور بیٹے کو عزت سے جیتا اور عزت سے مرتا دیکھنا چاہتی ہو تو اسے قانون کے ہاتھوں مرنے دو۔ اس طرح یہ بدنامی تو نہ ہوگی کہ وہ ایک طوائف کا بیٹا ہے۔ سوال یہ ہے کہ تم اسے ایک طوائف کے بیٹے کی حیثیت سے زندہ دیکھنا چاہتی ہو یا ایک قاتل کی حیثیت سے مرتا ہوا دیکھنا پسند کرو گی؟ دو میں سے کوئی ایک فیصلہ کرنا ہے' وہ تم کرو۔ اس سلسلے میں جب بھی کوئی جواب دینا ہو تو لیلیٰ محسن سے رابطہ قائم کرو یا اس سے آکر ملو۔" یہ کہتے ہی میں نے ریسیور رکھ دیا۔

اسی وقت جمی کھانا لے کر آگیا تھا ہم کھانے بیٹھ گئے۔ میں نے جمی کو بتایا کہ شرارہ بیگم سے اچھی خاصی گفتگو ہو چکی ہے اور میں نے اسے تذبذب میں مبتلا کر دیا ہے۔

کھانے کے بعد میں نے جمی کے سامنے شرارہ بیگم کی ڈائری کے چند خاص صفحات کی نشاندہی کی تاکہ وہ ان کی فوٹو اسٹیٹ کاپی کرالے' چند تصاویر اور شرارہ بیگم کا نکاح نامہ بھی دیا۔ وہ وہاں سے چلا گیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد واپس آیا تو ہم نے وہ فوٹو اسٹیٹ کاپی اپنے پاس رکھی اور اصل مواد کو ایک ایسی جگہ چھپا دیا جہاں دشمن نہ پہنچ سکیں۔ ارادہ تھا کہ دوسرے دن ہم یہ تمام چیزیں لاکر میں رکھ دیں گے۔ پھر ہم موٹر سائیکل پر بیٹھ کر لیلیٰ کی کوٹھی پہنچ گئے۔ وہاں یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ شرارہ بیگم ہم سے پہلے پہنچی ہوئی تھی اور لیلیٰ سے باتیں کر رہی تھی۔ لیلیٰ نے میرا اور جمی کا تعارف کرایا۔ شرارہ بیگم مجھے گہری اور التجا آمیز نظروں سے دیکھنے لگی۔ میں نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں تو لیلیٰ سے کیا فیصلہ ہوا؟"

لیلیٰ نے کہا۔ "یہ ایک ماں ہے اور میں ایک ماں کے جذبات سے کھیلنا نہیں چاہتی۔ اس لئے انہیں مشورہ دے رہی ہوں کہ ایسا کام کیا جائے کہ بیٹے کو بھی سزائے موت نہ ہو اور وہ اقرار جرم بھی کرلے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا ایسا ممکن ہے؟"

"ہاں' اگرچہ کرامت علی عدالت میں مجھ سے دشمنوں کی طرح لڑتا رہا ہے' مجھے

شکست دے کر میری توہین کی ہے لیکن میں اسے اس لئے معاف کر دوں گی کہ وہ میری قانونی شکست نہیں تھی بلکہ اس کے قانونی ہتھکنڈے تھے۔ میں صرف ایک ماں کا دل رکھنے کے لئے اسے اپنے بیٹے کے ساتھ زندہ دیکھنے کے لئے کوشش کروں گی کہ کرامت علی اگر اقرار جرم کرلے تو اسے سزائے موت نہ ہو۔"

میں نے پوچھا۔ "مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے' میں یہ ثابت کر دوں گی کہ قتل کے وقت خان اعظم موجود تھا اور جائے واردات پر کرامت علی نہیں تھا۔ کرامت علی صرف اس قتل کے منصوبے میں شریک رہا تھا۔ اس طرح سزا کچھ ہلکی ہو جائے گی۔"

میں نے سوالیہ نظروں سے بوڑھی شرارہ بیگم کو دیکھا۔ جوانی میں واقعی وہ شرارہ ہوگی۔ اس وقت وہ صوفے پر پہلو بدل رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ تم عورت ہو اور میرے جذبات کو سمجھتی ہو۔ میرے بیٹے کو سزائے موت تک نہیں پہنچاؤ گی لیکن میں یہ بات اپنے بیٹے سے کیسے کہوں؟"

"کیوں نہیں کہہ سکتیں؟"

"اس لئے کہ اسے یہ نہیں معلوم ہے کہ میں نے ایسی کوئی ڈائری لکھی تھی اور ایسی تصویریں اور ایسا نکاح نامہ تجوری میں چھپا رکھا تھا جو بعد میں ہمارا راز فاش کر سکتا ہے تو وہ مجھ پر بہت بری طرح بگڑے گا۔ وہ غصے کا بہت تیز ہے۔ میں اتنا اس کے باپ سے نہیں ڈرتی تھی جتنا اس سے ڈرتی ہوں۔"

لیلیٰ نے کہا۔ "یہ آپ دونوں ماں بیٹے کا ذاتی معاملہ ہے۔ مجھے جو کہنا تھا وہ کہہ چکی ہوں' اب آپ جا سکتی ہیں۔"

شرارہ بیگم نے کہا۔ "میں مانتی ہوں کہ تم میرے بیٹے کے ساتھ بڑی حد تک رعایت کر رہی ہو لیکن میں اپنے منہ سے اپنے بیٹے کو یہ باتیں نہیں بتا سکتی۔"

میں نے کہا۔ "میں بتا دیتا ہوں میرا یہ اسسٹنٹ تمہارے بیٹے کے پاس جائے گا اور تمہاری ڈائری کے چند خاص اوراق کی فوٹو اسٹیٹ کاپی اسے دکھا دے گا۔"

وہ سہمی ہوئی سن رہی تھی' انکار میں سر ہلا رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ "نہیں بیٹے!

ایسا مت کرو' وہ بڑا ظالم ہے۔"

میں نے کہا۔ "میں آپ کے ساتھ آپ کے گھر چلوں گا۔ جب تمہارا بیٹا وہاں آئے گا اور تم پر ظلم کرنا چاہے گا تو میں اسے روک دوں گا۔"

"نہیں' تم میرے ساتھ نہ چلو' لیلیٰ بیٹی ٹھیک کہتی ہے' یہ ہم ماں بیٹے کا ذاتی معاملہ ہے۔"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "نہیں' میں تو تمہارے ساتھ ضرور جاؤں گا اور جس وقت تمہارا بیٹا تمہارے پاس آئے گا تو میں کہیں چھپ کر تمہاری باتیں سنوں گا۔ میرا وہاں جانا نہایت ضروری ہے۔ تم انکار کرو گی تو نقصان اٹھاؤ گی۔" وہ بالکل ہی نڈھال سی ہو کر' سر جھکا کر' دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر سوچتی رہ گئی۔ میں نے جمی سے کہا۔ "وہ فوٹو اسٹیٹ کاپیاں اپنے ساتھ لے جاؤ اور کرامت علی کے سامنے پیش کردو۔ میں بیگم صاحبہ کے ساتھ جارہا ہوں۔"

جمی چلا گیا' میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں نے باہر گاڑی دیکھی ہے یقیناً وہ تمہاری کار ہے' چلو۔"

وہ شکست خوردہ انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی اور لڑکھڑاتے قدموں سے چلنے لگی۔ لیلیٰ نے دروازے تک آکر شرارہ بیگم کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "مجھے افسوس ہے' میں کسی ماں کو اس حد تک پریشان نہیں کرسکتی لیکن یہ میری قانونی مجبوری بھی ہے۔ ایک مجرم کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہی ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ میں دنیا والوں کو بھی یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی کسی کی ماں کے ساتھ زیادتی کرتا ہے تو ایک دن اس کی ماں کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوسکتا ہے۔ جائیے میں آپ کے لئے صرف دعائیں ہی کرسکتی ہوں۔"

میں شرارہ بیگم کی کار میں بیٹھ کر اس کے مکان میں پہنچ گیا' مجھے یقین تھا کہ کرامت علی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں دیکھنے کے بعد غصے میں تلملاتا ہوا یہاں آئے گا۔ میں نے اپنا پاکٹ کیسٹ ریکارڈر تیار رکھا تھا۔

میں نے شرارہ بیگم کی خواب گاہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "یہ اسٹور روم میرے لئے

مناسب رہے گا' جب تمہارا بیٹا آئے گا تو میں یہاں چھپ جاؤں گا' اسے یہ نہ بتانا کہ میں یہاں موجود ہوں۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "بیٹے' ایک بات کہتی ہوں تم اسے مان لو۔"

"بولو' کیا بات ہے؟"

"میرا بیٹا بہت ظالم ہے۔ کبھی کبھی غصے میں مجھے مارتا بھی ہے۔ اگر وہ مارے تو تم بچانے کے لئے نہ آنا۔ آخر وہ میرا بیٹا ہے' مجھے مار کر خوش ہوتا ہے تو اس سے بڑی میرے لئے اور کیا خوشی کی بات ہوسکتی ہے۔"

میں گم صم ہو کر اس ماں کو دیکھنے لگا اور ذلیل بیٹے کے متعلق سوچنے لگا جو اپنی ماں پر ہاتھ بھی اٹھایا کرتا تھا۔

میں ٹیلی فون کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ پھر ریسیور اٹھا کر لیلیٰ سے رابطہ قائم کیا' میں نے اس سے کہا۔ "کامل کو یہ نہ معلوم ہو کہ ہمارے ہاتھوں میں کرامت کی کون سی کمزوری ہے' اسے معلوم ہوگا تو وہ انتقام کے جوش میں اس کمزوری کو ہر حال میں اچھالنے کی کوشش کرے گا۔ یہی بات جمی کو سمجھا دینا۔"

لیلیٰ نے پریشان ہو کر کہا۔ "تم وہاں تنہا گئے ہو' کرامت نے اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچایا تو؟"

"میں کرامت سے کمزور تو نہیں ہوں' اپنی حفاظت کرنا جانتا ہوں۔"

"پھر بھی میں جمی کو تمہارے پاس بھیجوں گی۔"

"ایسا نہ کرنا میں جس مقصد کے لئے آیا ہوں وہ مقصد فوت ہوجائے گا۔ تم اطمینان رکھو' میں بخیریت تمہارے پاس آؤں گا اور تمہارے ساتھ بہت ہی پیارا پیارا وقت گزاروں گا۔" وہ چپ رہی میں نے مسکرا کر کہا۔ "یقیناً پیارے پیارے سے وقت پر تم شرما رہی ہوگی۔ لہٰذا شرماتی رہو۔ میں ذرا دوسرے کام میں مصروف ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے ریسیور رکھ دیا۔ شرارہ بیگم کمرے میں نہیں تھی۔ میں نے نکل کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ کچن سے برتنوں کی آواز آرہی تھی۔ میں نے وہاں پہنچ کر دیکھا۔ وہ چائے تیار کر رہی تھی' میں نے کہا۔ "میں چائے نہیں پیوں گا۔"

"کیوں بیٹے! میں اپنے ہاتھوں سے بنا کر پلاؤں گی۔ انکار تو نہ کرو۔"

"آپ مجھے بیٹا کہتی ہیں لیکن افسوس کہ میں آپ پر بھروسہ نہیں کرسکتا' آپ اس وقت ایسے مقام پر کھڑی ہوئی ہیں کہ اپنے بیٹے کی سلامتی کے لئے دشمن کی جان سے بھی کھیل سکتی ہیں اور اپنی جان پر بھی کھیل سکتی ہیں۔"

میں انکار کرکے کمرے میں آگیا۔ تھوڑی دیر بعد شرارہ بیگم آگئیں۔ ہمیں وہاں تقریباً پینتالیس منٹ تک کرامت کا انتظار کرنا پڑا۔ پھر دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں نے کہا۔ "آپ جاکر دروازہ کھولیں لیکن جو بھی باتیں کرنی ہیں وہ اس کمرے میں آکر کریں۔ آپ کسی دوسرے کمرے میں نہیں جائیں گی' اس بات کو اچھی طرح یاد رکھیں۔"

وہ دروازہ کھولنے چلی گئی۔ میں نے فوراً ہی کیسٹ ریکارڈر کو جیب سے نکالا' اسے آن کیا اور.......... پلنگ کے نیچے رکھ دیا۔ پھر اسٹور روم کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

اسی وقت کرامت علی کی آواز سنائی دی۔ اس کے جواب میں شرارہ بیگم کچھ کہتی ہوئی کمرے کی طرف آرہی تھیں' پھر ان کی آوازیں واضح ہوگئیں' کرامت علی نے جھنجلا کر پوچھا۔ "آپ مجھے یہ کیوں نہیں بتاتیں کہ یہ فوٹو اسٹیٹ کاپیاں کس قسم کی ہیں۔ تحریر تو آپ ہی کی لگ رہی ہے؟"

"بیٹے میں سب بتادوں گی۔ اطمینان سے بیٹھو۔"

"میں اطمینان سے بیٹھنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ یہ کیا تماشا ہے' دشمن مجھے بلیک میل کرنے والے ہیں۔"

شرارہ بیگم کی ہچکچاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "بیٹے مجھ سے ایک بہت بڑی غلطی ہوگئی۔ میں اپنی زندگی کے متعلق ڈائری لکھا کرتی تھی۔ بچپن سے لے کر دس برس کی عمر تک میں نے تمہیں پالا۔ اس دس برس کے عرصے میں تمہاری معصومیت' تمہاری شرارتیں' تمہاری محبت جو مجھے ملتی رہی میں نے اس ایک ایک لمحے کو ڈائری میں لکھا اور لکھنے کے دوران برسبیل تذکرہ میرا بھی نام اور میری زندگی کے واقعات آتے رہے' مجھے پورا یقین تھا کہ کوئی اس ڈائری تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس آہنی تجوری میں اوپر کے لاک

کے علاوہ اندر ایک چور لاک ہے' مجھے حیرانی ہے کہ وہ چور اس چور لاک کو بھی کیسے کھول کر وہ ساری چیزیں لے گیا؟"

وہ غصے سے بولا۔ "تم بوڑھی بے وقوف عورت! تم میرے باپ کی زندگی میں آنے سے پہلے ذلالت بھری زندگی گزارتی رہیں اور اب اس کا بدنما داغ میری زندگی پر لگا رہی ہو' میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس کے ساتھ ہی ایک زور دار تڑاخ کی آواز سنائی دی۔

شرارہ بیگم نے کراہتے ہوئے کہا۔ "نہیں بیٹے! میں تمہاری ماں ہوں' دنیا والوں کے لئے بازاری سہی مگر میرا تمہارا مقدس رشتہ ہے' میں تمہارے.........."

اس کی بات پوری نہ ہونے سے پہلے ہی پھر تڑاخ کی آواز سنائی دی۔ کوئی چیز دھپ سے زمین پر گری۔ یقیناً شرارہ بیگم گر پڑی ہوں گی پھر کرامت علی کی آواز سنائی دی۔

"مجھے بتاؤ لیلیٰ کیا کہہ رہی تھی؟"

شرارہ بیگم کی روتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔ "بیٹے! پہلے سہولت سے بیٹھ کر میری باتیں تو سنو' غصے میں کوئی بات نہیں بنتی بلکہ اور بگڑ جاتی ہے۔"

"اور کیا بگڑے گی' جتنا بگاڑنا تھا تم نے ایک ماں ہوکر بگاڑ دیا۔ اب تو تمہیں ماں کہتے ہوئے اتنا غصہ آرہا ہے کہ یا تو میں اپنی جان دے دوں گا یا تمہاری جان لے لوں گا۔ مجھے بتاؤ لیلیٰ کیا کہہ رہی تھی؟"

"وہ کہہ رہی تھی کہ ہمارا یہ راز فاش نہیں کرے گی' تم اپنے جرم کا اقرار کرلو۔"

وہ پاؤں پٹختا ہوا اسٹور روم کے قریب آیا۔ پھر بولا۔ "میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے' میں نے کسی کو قتل نہیں کیا ہے' میں کیوں اقرار کروں۔ وہ اس کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔ اپنی ہاری ہوئی بازی جیتنا چاہتی ہے۔ میں نے عدالت میں اسے بری طرح شکست دی ہے' میں کبھی اقرار نہیں کروں گا۔"

شرارہ بیگم نے کہا۔ "لیلیٰ کا پرائیویٹ سیکرٹری کہہ رہا تھا کہ دو میں سے کوئی ایک راستہ چننا ہوگا۔ یا تو تم ایک طوائف کی اولاد ہونے کی حیثیت سے بدنام ہوکر زندہ رہو یا پھر اس بات کو راز میں رکھ کر اپنے جرم کا اقرار کرکے قانون کے ہاتھوں سزا پاؤ۔"

وہ پھر پاؤں پٹختا ہوا اسٹور روم سے ذرا دور گیا۔ پھر بولا۔ "دونوں صورتوں میں مجھے مرنا ہوگا' ادھر قانون کے ہاتھوں سے اور ادھر ذلت اٹھا کر۔"

"بیٹے! لیلیٰ قسم کھا کر وعدہ کر رہی تھی کہ تمہیں سزائے موت سے بچا لے گی اور کچھ اس قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرے گی کہ قتل کے وقت صرف خان اعظم موجود تھا اور جائے واردات پر تم نہیں تھے' اس طرح تمہاری سزا میں کمی ہو جائے گی۔"

وہ چیخ کر بولا۔ "یہ سب بہلاوا ہے۔ وہ میری دشمن ہے' جب میری کمزوری اس کے ہاتھ آجائے گی تو وہ عدالت میں للکارتے ہوئے مجھے پھانسی کے پھندے تک پہنچائے گی۔"

"میں بوڑھی ہوں۔ میں نے ایک دنیا دیکھی ہے۔ میں اپنے تجربات کی بنا پر کہتی ہوں کہ لیلیٰ ایک نیک عورت ہے' زبان کی دھنی ہے' جو کہتی ہے اسے پورا کرے گی' تمہیں سزائے موت تک نہیں پہنچنے دے گی اور ہمارا یہ 'راز' راز رہ جائے گا۔"

"تم ایک بے وقوف عورت ہو' میں بے وقوف نہیں بن سکتا۔ تمہیں موقع دیتا ہوں لیلیٰ سے پھر ملو اور کسی طرح بھی کوئی دوسرا سمجھوتہ کر کے بڑی سے بڑی رقم ادا کر کے وہ تمام ثبوت واپس حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ ورنہ میں کیا کروں گا' یہ آنے والا وقت بتائے گا۔"

پھر اس کے قدموں کی آواز سنائی دی' وہ پاؤں پٹختا ہوا جا رہا تھا۔ شرارہ بیگم نے کہا۔

"رک جاؤ بیٹے! ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔"

چند لمحوں تک خاموشی رہی' پھر کرامت کی آواز سنائی دی۔ "کیا بات سمجھ میں آتی ہے؟"

"یہی کہ تم نے کامل کی ماں کو پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیا' وہ انتقام لینا چاہتا ہے اور یہ لوگ بھی یہی چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہارے کیے کی سزا ملے تو اس کا ایک راستہ اور ہے اور وہ یہ کہ مجھے بھی پانی میں ڈبو کر ہلاک کیا جائے۔ اس طرح ان کے انتقامی جذبے سرد پڑ جائیں گے۔ میں اسی پہلو پر لیلیٰ سے بات کروں گی۔"

"تم جس پہلو پر بھی بات کرو۔ فیصلہ میرے حق میں ہونا چاہیے۔ اگر تمہیں پانی میں

ڈبو کر مارنا پڑا تو میں اپنی عزت کو بحال رکھنے کے لیے ایسا بھی کر گزروں گا۔"

پھر بھاری بھرکم قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ جا رہا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک اسٹور روم کے بند دروازے کے پیچھے کھڑا رہا۔ پھر شرارہ بیگم کی آواز سنائی دی۔ "آجاؤ' میں نے باہر والا دروازہ اندر سے بند کر دیا ہے' وہ جا چکا ہے۔"

میں نے باہر نکل کر شرارہ بیگم کے چہرے کو غور سے دیکھا' ان کے رخساروں پر انگلیوں کے نشانات تھے۔ بوڑھی سفید زلفیں بکھر گئی تھیں' میں نے ہمدردی سے انہیں دیکھا۔ پھر مجھے اپنے کیسٹ ریکارڈر کا خیال آیا۔ میں نے اپنے حلق پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "پیاس لگ رہی ہے کیا ایک گلاس پانی ملے گا؟"

وہ پانی لانے کے لیے باہر گئیں' میں نے جھک کر پلنگ کے نیچے سے کیسٹ ریکارڈر نکال کر آف کیا اور اسے جیب میں رکھ لیا۔ اسی وقت دروازے پر نظر پڑی' شرارہ بیگم کھڑی ہوئی مجھے دیکھ رہی تھیں۔ نظریں ملتے ہی کہا۔ "میں پانی نہیں لا سکی اچانک خیال آیا کہ تم مجھ پر بھروسہ کیسے کرو گے۔ میں پانی میں زہر ملا کر بھی دے سکتی ہوں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔"

وہ قریب آ کر بولیں۔ "کیا تم نے ہماری ساری باتیں ریکارڈ کی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

وہ اپنے بستر کے سرہانے پر بیٹھ گئیں۔ پھر سر جھکا کر بولیں۔ "بیٹا' دنیا میں ہر طرح کی تصویریں اتارو۔ ہر طرح کی باتیں ریکارڈ کرو لیکن وہ باتیں نہ ریکارڈ کرو' وہ تصویریں نہ اتارو جن میں ماں کے مقدس رشتے کی توہین ہوتی ہو۔ جب تم یہ کیسٹ کسی اور کو سناؤ گے اور وہاں میرے منہ پر تھپڑ کی آواز سنائی دے گی تو کیا تمہیں اپنی ماں یاد نہیں آئے گی؟"

میرا سر جھک گیا۔ میں نے کیسٹ ریکارڈر نکالا۔ پھر کرسی پر بیٹھ کر اسے ریوائنڈ کرنے لگا۔ اس کے بعد میں نے شروع سے شرارہ بیگم کو کیسٹ کی آوازیں سنائیں' جہاں تھپڑ کی آواز آتی تھی وہاں میں اسے مٹا دیتا تھا جہاں کہیں ماں کی توہین ہوتی تھی میں اس آواز کو بھی مٹا دیتا تھا۔ باقی باتیں میں نے جوں کی توں رہنے دیں۔

جب دونوں ماں بیٹے کی گفتگو ختم ہوگئی اور میں نے ریکارڈر کو آف کردیا تو شرارہ بیگم نے کہا۔ "یہ باتیں سنتے سنتے اچانک میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی ہے۔ میں اپنے بیٹے سے جرم کا اعتراف کرا سکتی ہوں۔ اس اعتراف کو تم کسی طرح چھپ کر کیسٹ میں ریکارڈ کرسکتے ہو لیکن میں اسی بھروسے پر ایسا کروں گی کہ لیلیٰ اپنی بات پر قائم رہے گی۔ تم بھی ایک سعادت مند بیٹے کی طرح میری اور میرے بیٹے کی عزت رکھو گے اور اس راز کا انکشاف نہیں کرو گے اور لیلیٰ میرے بیٹے کو سزائے موت سے بچائے گی۔"

میں نے کہا۔ "میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں بلکہ میں اور لیلیٰ آپ کے سامنے حلف اٹھا کر یہ بات کہہ سکتے ہیں اگر کوئی ایسی تدبیر ہو کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے تو ہم اس پر ضرور عمل کریں گے۔"

"میں اس سے اعتراف کرا سکتی ہوں لیکن ایک شرط پر وہ یہ کہ میری ڈائری' میرا وہ نکاح نامہ اور وہ تمام تصویریں تم لے آؤ' اسے میرے حوالے کردو۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟"

"اگر تم اس عمر میں میری زبان پر بھروسہ کرسکتے ہو تو کرلو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ ان چیزوں کو ضائع نہیں کروں گی بلکہ وہ چیزیں تمہاری نگاہوں کے سامنے رہیں گی۔ تم ایک جگہ چھپے رہو گے۔ اگر یہ دیکھو کہ میں وعدہ خلافی کر رہی ہوں۔ ان چیزوں کو کسی بہانے ضائع کرنا چاہتی ہوں یا تمہاری نگاہوں سے دور لے جانا چاہتی ہوں تو بلاشبہ تم مجھے یا میرے بیٹے کو ہلاک کردینا' اس سے آگے اور میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

میں نے اس تجویز پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد کہا۔ "ہاں' میں اس حد تک آپ پر بھروسہ کرسکتا ہوں لیکن میں کہاں چھپوں گا اور آپ وہ ڈائری وغیرہ لے کر کیا کرنا چاہتی ہیں؟"

"میرے ساتھ آؤ' بتاتی ہوں۔" میں ان کے ساتھ چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ انہوں نے ٹی وی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو وہ ٹی وی اسٹینڈ رکھا ہوا ہے۔ ٹی وی اور اسٹینڈ کے' پیچھے والا حصہ نظر نہیں آرہا ہے۔ وہاں تم آسانی سے چھپ سکتے ہو۔ میں یہاں صوفے پر اپنے بیٹے کے ساتھ بیٹھی رہوں گی۔ تمہارا کیسٹ ریکارڈر سینٹر ٹیبل

کے نیچے رہے گا اور ہماری باتیں ریکارڈ ہوتی رہیں گی۔"

میں نے ان کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے ان کے رخساروں کو تھام کر کہا۔ "میں بہت دیر سے سوچ رہا تھا کہ آپ کے لئے کیا کروں۔ ایک بیٹے نے آپ کے منہ پر طمانچے مارے ہیں۔ میں دوسرے بیٹے کی حیثیت سے اس زخم پر اسی طرح مرہم رکھ سکتا ہوں کہ آپ کی بات مان لوں اور وہ چیزیں آپ کو واپس کردوں' اب اپنے بیٹے سے اعتراف کرانا یا نہ کرانا آپ کی دیانتداری پر ہے۔ بولئے' میں کب آپ کے پاس آؤں؟"

انہوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس وقت چار بج کر پچیس منٹ ہوئے ہیں۔ میں ساڑھے چھ بجے اپنے بیٹے کو یہاں بلاؤں گی۔ کیا تم چھ بجے تک وہ تمام چیزیں لاسکتے ہو؟"

میں نے وعدہ کیا اور وہاں سے رخصت ہوگیا۔

☆======☆======☆

میں ٹھیک چھ بجے دوبارہ شرارہ بیگم کے ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا تھا۔ چھ بج کر پندرہ منٹ پر دستک سنائی دی' شرارہ بیگم نے کہا۔ "شاید میرا بیٹا وقت سے پہلے آگیا ہے۔ تم چھپ جاؤ' میں دروازہ کھولنے جارہی ہوں۔"

میں نے کیسٹ ریکارڈر آن کیا' پھر اسے سینٹر ٹیبل کے نیچے رکھ دیا۔ اس کے بعد ٹی وی کے پیچھے چھپ گیا۔ احتیاطاً ریوالور نکال کر اپنے ہاتھ میں رکھ لیا تاکہ شرارہ بیگم اگر دھوکہ دینا چاہیں اور وہ تمام ثبوت ضائع کرنا چاہیں تو میں انہیں نشانے پر رکھ لوں۔ کرامت علی کی آواز سنائی دی۔ وہ کہتا ہوا آرہا تھا۔ "مجھے آپ نے فون پر یہ خوش خبری دی تو یقین نہیں آیا۔ بھلا لیلیٰ کے پاس سے آپ یہ ساری چیزیں کیسے لے آئیں؟"

"بیٹے! میں فون پر یہ باتیں نہیں بتانا چاہتی تھی۔ پتہ نہیں کوئی سن لے تو' اس لئے میں نے تمہیں یہاں آنے کے لئے کہا۔" وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آگئے۔ شرارہ بیگم نے کہا۔ "تم بیٹھو' میں نے تمہارا پسندیدہ گاجرہ کا حلوہ تیار کیا ہے' تمہارے لئے لے کر آتی ہوں۔"

"نہیں امی! آپ پہلے مجھے بتائیں کہ وہ چیزیں کہاں ہیں اور کیسے حاصل کیں؟"

"سیدھی سی بات ہے بیٹا! میں لیلیٰ سے باتیں کرنے گئی تھی۔ اتفاق سے وہ اپنی کوٹھی میں بالکل تنہا تھی۔ اس بیرسٹر کی میز پر بہت سی فائل اور کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ انہی کے درمیان میں نے اپنی ڈائری' وہ لفافہ اور ان تصویروں کے لفافے کو پہچان لیا۔ میں نے سوچا اس سے بہتر موقع کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نے موقع پاتے ہی ایک گل دان اٹھا کر لیلیٰ کے سر پر زور دار ضرب لگائی۔ وہ وہیں چکرا کر گر پڑی اور میں یہ چیزیں لے کر یہاں آ گئی۔"

کرامت علی نے خوشی سے نعرہ لگاتے ہوئے شرارہ بیگم کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ پھر کہا۔ "امی! آپ نے تو کمال کر دیا۔ دشمن کو ایسی چوٹ دی ہے کہ اب وہ لوگ تلملائیں گے۔"

شرارہ بیگم نے کہا۔ "تم آرام سے بیٹھو' میں تمہارے لئے کھانا لاتی ہوں۔"

☆=====☆=====☆

"امی پہلے وہ تمام چیزیں دکھائیں۔"

"صبر تو کرو۔ تم بدتمیز ہو' بہت بے صبرے ہو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

تھوڑی دیر تک کرامت علی چپ چاپ صوفے پر بیٹھا چھت کی طرف دیکھتا ہوا سوچتا رہا۔ یقیناً وہ لیلیٰ کی شکست پر خوش ہو رہا تھا کیونکہ رہ رہ کر مسکرا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں شرارہ بیگم ایک ٹرے پر کچھ پلیٹیں اور پانی کا جگ لے کر آئیں اور سینٹر ٹیبل پر رکھی ہوئی ایک پلیٹ میں اپنے بیٹے کے لئے گاجر کا حلوہ نکالنے لگیں۔ بیٹے نے بے چین ہو کر کہا۔ "امی! یہ میں خود نکال کر کھا رہا ہوں' آپ وہ چیزیں لائیں۔"

"یہ لو' خود ہی اپنے ہاتھ سے نکال کر کھاؤ۔ میں ابھی اپنے کمرے سے لے کر آتی ہوں۔"

شرارہ بیگم اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔ مجھے الجھن سی ہو رہی تھی کیونکہ بڑی بی نے ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں چھیڑی تھی جس سے کرامت علی اپنے جرم کا اقرار کرتا۔ پھر میں نے سوچا' شاید ان چیزوں کو دیکھنے کے بعد وہ بے اختیار اپنے جرم کا اقرار کرے اور وہ بات ریکارڈ ہو جائے۔

وہ کھانے میں مصروف تھا۔ تھوڑی دیر بعد شرارہ بیگم ڈائری' فائل اور تصویروں کا لفافہ لے کر آ گئیں۔ پھر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لو کھاتے بھی جاؤ اور اسے دیکھتے بھی جاؤ۔ بالکل وہی چیزیں ہیں' میں تو مطمئن ہوں۔"

کرامت علی نے ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "امی آپ نے حلوہ بہت ہی میٹھا کر دیا ہے۔"

"بیٹے' خوشی میں مٹھاس زیادہ ہو گئی۔ یہ میٹھی چیزیں بھی اولاد کی طرح ہوتی ہیں دیکھو' تم مجھے کتنا پیار کرتے ہو پیار کی اتنی مٹھاس دیتے ہو کہ میں تمہارے غصے اور گالی کی کڑواہٹ کو بھول جاتی ہوں اس طرح بہت زیادہ مٹھاس ہو تو اس کے پیچھے چھپی ہوئی کڑواہٹ سمجھ میں نہیں آتی۔"

کرامت نے حلوے کی پلیٹ کو میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی ان چیزوں کو جلا دیتا ہوں۔"

شرارہ بیگم نے کہا۔ "بیٹے اطمینان سے بیٹھو' اسے جلا دیں گے' جلدی کیا ہے۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا لیکن ایک بات میں تم سے کرنا چاہتی ہوں' فرض کرو کہ یہ چیزیں مجھے حاصل نہیں ہوتیں تب کیا ہوتا؟"

"امی بہت برا ہوتا؟"

"بیٹے اسی لئے تو بڑے بوڑھے سمجھاتے ہیں کہ وہ کام نہ کرو کہ جو خود تمہارے لئے برا ہو' برائی کرو گے تو برائی جواب میں واپس ملے گی۔ دیکھو میں نے اس بات پر بہت غور کیا۔ لیلیٰ اور ابن شہاب کہہ رہے تھے کہ یا تو تم ایک طوائف کے بیٹے کی حیثیت سے ذلیل ہو کر زندہ رہو اور سوسائٹی سے اپنے عزت و وقار کو ہاتھ سے جانے دو یا پھر قاتل کی حیثیت سے عدالت میں پہنچ جاؤ۔ لیلیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں سزائے موت سے بچائے گی لیکن اس کا وعدہ وفا ہوتا یا نہ ہوتا میں ایک ماں کی حیثیت سے بھروسہ نہیں کر سکتی تھی۔"

ایسا کہتے ہوئے انہوں نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی۔ کرامت نے کہا۔ "امی کیا ہو گیا' آپ تو پسینہ پسینہ ہو رہی ہیں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولیں۔ ”ہاں بیٹا! ذرا اپنے آپ کو ٹٹولو۔ تم بھی پسینے میں بھیگ رہے ہو۔“

میں نے ایک طرف سے جھانک کر دیکھا۔ کرامت گھبرا کر اپنے آپ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر کہہ رہا تھا۔ ”ہاں میں بھی تو پسینے میں بھیگ رہا ہوں حالانکہ گرمی کا موسم نہیں ہے۔“

”بیٹے پہلے میری بات سن لو‘ میرے ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ اگر میں پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دی جاؤں گی تو شاید کامل کے انتقامی جذبے سرد پڑ جائیں۔ پھر میں نے سوچا نہیں‘ اگر میں اس طرح ہلاک کی گئی تو دشمنوں کے سامنے تمہارا سر جھکے گا‘ تمہاری توہین ہوگی۔ میں تمہاری توہین بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ تم ایک طوائف کے بیٹے کی حیثیت سے اس سوسائٹی میں زندہ رہو میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ تم قانون کے مجرم بن کر پھانسی کے پھندے تک جاؤ‘ میں کیا کر سکتی تھی۔ میرے سامنے بس ایک راستہ تھا۔ میں دشمنوں سے نہیں لڑ سکتی تھی۔ ہماری کمزوری ان کے ہاتھ میں چلی گئی تھی اس لئے میں نے سوچا کہ عزت کی موت کا راستہ صرف ایک ہے کہ ہم ماں بیٹے زہر کھا کر خاموشی سے یہاں مر جائیں اور ہم اسی لئے پسینہ پسینہ ہو رہے ہیں۔“

کرامت علی ”نہیں“ کہہ کر چیختا ہوا اچھل کر کھڑا ہوا‘ پھر یک بارگی چکرا کر سینٹر ٹیبل کے اوپر گر پڑا۔ پلیٹیں جھنجھناتی ہوئی اِدھر سے اُدھر ہوئیں اس کے بعد شرارہ بیگم کی آواز سنائی دی۔ ”بیٹے دنیا میں ماں سے زیادہ میٹھی کوئی چیز نہیں ہوتی تمہیں عزت کے ساتھ دنیا سے اٹھانے کے لئے میں ذرا کڑوی ہوگئی‘ مجھے معاف کر دینا میرے بچے!“

اب مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں ٹی وی کے پیچھے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ کرامت علی میز پر تھر تھراتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا اور بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ ”نہیں‘ میں نہیں مر سکتا۔ میں نہیں مروں گا‘ میں ابھی ڈاکٹر کے پاس جاؤں گا۔ میرے جسم سے زہر نکالا جا سکتا ہے۔“

وہ پلٹ کر صوفے پر آیا۔ پھر وہاں گر پڑا۔ وہاں ڈائری‘ فائل اور تصویروں کا لفافہ رکھا ہوا تھا۔ وہ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے انہیں سمیٹتے ہوئے کہنے لگا۔ ”نہیں پہلے میں ان چیزوں کو جلا دوں گا۔ میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں رہنا چاہئے۔ میں.......... میں نہیں

مر سکتا۔“

میں چپ چاپ کھڑا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے شرارہ بیگم کی طرف دیکھا وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھیں۔ بالکل ساکت نظر آ رہی تھیں۔ دیدے پھیلے ہوئے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ بیٹے کو گاجر کا حلوہ کھلانے سے پہلے ماں نے خود موت کا ذائقہ چکھا ہے۔

میں ٹی وی کے پیچھے سے نکل کر سامنے آگیا۔ کرامت نے بڑی مشکل سے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا‘ اس کے دیدے پھیل رہے تھے۔ وہ بری طرح کانپ رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ سرد پڑنے لگا۔ اس کا سر صوفے کے کنارے ٹک گیا تھا۔ وہ آدھا فرش پر تھا اور آدھا صوفے کے [illegible]ے تھا۔ میں نے شرارہ بیگم کے قریب پہنچ کر انہیں دیکھا۔ پھر اپنا ہاتھ ان کی آنکھوں پر رکھ کر آنکھیں بند کر دیں‘ اسی وقت میری نظر ان کے ایک ہاتھ پر گئی۔ وہ بڑی مضبوطی سے ایک مٹھی باندھے ہوئے تھیں اور اس میں ایک کاغذ نظر آ رہا تھا۔ میں نے وہ کاغذ مٹھی سے نکال لیا۔ کھول کر پڑھا لکھا تھا۔ ”بیٹے شہاب‘ میں نے عزت سے مرنے کا یہی ایک راستہ اختیار کیا ہے‘ اپنا وعدہ پورا کیا۔ جو ثبوت تمہارے ہاتھ لگ گیا تھا اسے ضائع نہیں کیا۔ اب تمہیں خدا کا واسطہ ہے کہ اسے اسی مکان میں جلا کر راکھ کر دینا اور ہماری حقیقت کسی پر ظاہر نہ کرنا‘ فقط ایک بدنصیب ماں۔“

میں نے اس خط کو پڑھنے کے بعد ایک گہری سانس لی‘ اسے بند کر کے جیب میں رکھا۔ وہ تمام ثبوت اٹھائے پھر شرارہ بیگم کے پاس آ کر کہا۔ ”میں ابھی یہ ساری چیزیں جلا ڈالوں گا۔ واہ شرارہ بیگم‘ تمہارے سامنے لیلیٰ محسن اور کرامت علی جیسے بیرسٹر ہار گئے۔ تمہارے سامنے قانون ہار گیا۔ ماں سے آج تک کون جیت سکا ہے‘ کمال ہے تم نے اپنے بیٹے کو بے عزتی سے بچایا ہے اور عزت کی موت دی‘ تمہیں میں سلام کرتا ہوں۔“

یہ کہہ کر میں جھک گیا۔ پھر میں نے ان کے رخسار کے اس حصے پر بوسہ دیا۔ جہاں بیٹے کی انگلیوں کے نشان اب بھی کہیں کہیں نظر آ رہے تھے۔